



السلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

وہ ایک دن

از آسیہ رئیس خان

میڈم۔۔۔ میڈم۔۔۔ "کلیئر نے جھک کر قدرے اونچی آواز لگائی تو شبیح میڈم ہڑبڑا کر
"جاگی۔"

"اسٹاپ آگیا ہے تمہارا۔" دبلے پتلے لڑکے نے مراٹھی میں کہتے ہوئے اسے سر سے پیر
تک گھورا۔ وہ کشمکش میں تھا کہ اس کی گہری نیند پر رشک کرے یا یوں بے سدھ سونے پر
افسوس۔

"سس۔۔۔ سوری۔۔۔ سوری۔" سیٹ کی پشت سے ٹیکا ہٹا کر دوپٹہ درست کرتے
ہوئے وہ ہکلائی۔ بس کے دیگر مسافر اسے بری طرح گھور رہے تھے۔ وہ جی بھر کے
شرمندہ ہوئی۔

"سوری۔" ایک۔ بار پھر معذرت کرتے ہوئے وہ سرعت سے بس سے نیچے اتری۔
ڈرائیور جیسے اس کے باہر نکلنے کا ہی منتظر تھا۔ ایک کرخت سی آواز اور دھومیں کے غبار کے
ساتھ بس آگے بڑھ گئی۔

وہ ابھی پوری طرح حواسوں میں لوٹی بھی نہیں تھی کہ ایک نئی افتاد سر پر آن کھڑی ہوئی۔
اسے تنہا بس نکلتے دیکھ کر چار پانچ آٹورکشہ اور پرائیویٹ ٹیکسی ڈرائیور دوڑے اس کے
پاس آئے تھے۔ وہ سارے ہی مراٹھی اور کچھ ٹوٹی پھوٹی انگلش میں اسکی منزل کا پتہ پوچھ
کر اسے منزل تک پہنچانے کی پیشکش کر رہے تھے۔ اسکول اور کالج کی پنک اور ٹریپس کے
بعد یہ پہلا موقعہ تھا جب وہ ممبئی سے باہر نکلی تھی وہ بھی تنہا۔ کالج کے لیے روز بس کے
سفر کی عادی تھی سو اس قسم کے حالات سے نپٹنا بھی جانتی تھی۔ وہ چہرے پر سختی اور
درشتی لیے، لب بھینچے آگے بڑھتی رہی۔ اپنی سیاہ زالیو ڈرائیونگ سیٹ پر فون پر محو
گفتگو جہان کی بھٹکتی نظر اس طرف گئی۔ لائٹ بلیو جیکینگ اور مسٹر ڈیلو کرتے پر، سفید
دوپٹہ اس نے سر اور شانے کے گرد جس انداز میں لپیٹ رکھا تھا، وہ اسکے ہم قوم ہونے کا
اعلان کر رہا تھا۔ جہان نے اس کے دائیں بائیں اور پیچھے اس کے ساتھی مسافروں کو تلاش

کیا مگر وہ تنہا ہی نظر آئی۔ ان پانچوں میں سے ایک لفنگا ڈرائیور اس کے چہرے کے قریب جا کر کچھ کہہ رہا تھا اور وہ اپنی جگہ سہم کر تھم گئی۔ اس ایک لمحے میں اسکی کمزوری سب پر ظاہر ہو گئی تھی۔ وہ سارے ایک ساتھ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

"میں پانچ منٹ بعد کال کرتا ہوں۔" اس نے دوسری طرف کا جواب سننے بنا ہی فون بند کر دیا اور باہر نکل کر دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند کیا۔ قدرے فاصلہ ہونے کے باوجود بھی وہ سب آواز کی سمت گھوم گئے۔

"کب سے انتظار کر رہا ہوں۔ اور تم فون کیوں نہیں اٹھا رہی ہو؟" وہ غصے سے کہتا ہوا اس کی سمت بڑھا تھا۔ شبیع کے چہرے پر پھیلے خوف و دہشت کی جگہ تحیر نے لے لی۔ جبکہ ڈرائیوروں کے چہروں سے شکار کو پھانس لینے والی خوشی غائب ہو گئی تھی۔

www.novelsclubb.com
"اب چلو بھی، گھر سے فون پر فون آرہے ہیں۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسے پاس بلا یا۔ ان پانچوں نے دور ہٹ کر اس کے لئے آگے جانے کا راستہ بنایا۔ وہ تیز قدم اٹھاتے ہوئے ان کے درمیان سے نکال کر جہان کے قریب آئی۔

"ساتھ چلو۔" جہان کی سرگوشی پر اجنبی کی بات کا مطلب سمجھ کر وہ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملاتے ہوئے گاڑی تک آئی۔ ابھی وہ گاڑی کے پاس پہنچے ہی تھے کہ جہان کے فون کی بجنے لگا۔

"مام کالنگ۔" جہان کی فون ریسیو کرنے سے پہلے شبیح نے اسکرین پر دیکھ لیا تھا۔
"اچانک فون کیوں کٹ کر دیا؟" دوسری طرف سے اتنی اونچی آواز میں کہا گیا کہ شبیح نے بھی صاف سنا۔

"ایک ایمر جنسی آگئی تھی ماما۔" جہان نے ذرا پرے جا کر آہستہ سے کہا۔
"ایمر جنسی۔۔۔؟ اب کیا ہو گیا؟" ادھر سے پریشانی بھرا سوال آیا۔

"کچھ خاص نہیں ماما۔" www.novelsclubb.com

"ارے، طبیعت تو ٹھیک ہے تیری؟ لوز موشن تو نہیں ہو رہے؟ راستے کا کھانا کھانے منع کیا تھا تجھے۔" ماما نے ایمر جنسی کا مطلب خوب نکالا تھا۔

"ماما۔۔۔!" وہ احتجاجاً دبی آواز میں چیخا۔

"گاڑی خراب ہوگئی؟ ارے ایکسیڈنٹ تو نہیں کر بیٹھا؟"

"مجھے کچھ ہوا ہے نہ گاڑی کو کچھ ہوا ہے۔ اور سارا زمانہ میری ڈرائیونگ کا قائل ہے پتہ نہیں آپ کب یقین کریں گی۔"

"تو سچ بتا پھر مجھے۔" جہان نے دزدیدہ نظر بظاہر بے نیاز مگر سب سنتی شبیج پر ڈالی۔ اس کی ممدراصل سے سہیلی کی طرح ٹریٹ کرتی تھیں اور انہیں ہمیشہ سارے احوال بھی سہیلی والی تفصیل میں درکار ہوتے تھے۔ جہان نے مختصراً انہیں اصل قصہ سنایا۔

"کہاں جا رہی ہے وہ لڑکی تنہا؟ اس سے پوچھ، اگر کہیں قریب میں ہی گھر ہے تو اسے گھر تک پہنچادے۔" ادھر سے حکم آیا۔

"جی ماما۔" وہ تخیل اور سعادت مندی سے بولا۔

"جی ماما نہیں۔۔۔۔۔ اسے گھر چھوڑنے کے بعد مجھے کال کر۔۔۔۔۔ چل تیرے ابو مجھے آوازیں لگا رہے ہیں۔۔۔۔۔" اللہ حافظ۔ "دوسری طرف سے فون بند ہونے پر جہان نے ایک گہری سانس لی اور شبیج کی طرف پلٹا۔

"باتوں سے تو ممانہیں اماں لگتی ہیں۔" شبیج نے دل میں سوچا۔

"میری مدد کرنے کے لئے شکریہ۔" شبیج کا شکریہ اس نے مسکرا کر قبول کیا۔

"بستی اور آبادی یہاں سے بہت دور ہے میں۔۔۔"

"مجھے یہاں سے دوسری بس لیننی ہیں۔" چونکہ وہ ان دونوں کی گفتگو سن چکی تھی اس لئے

سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

"جگہ کا نام بتاؤ، میں بس کی ٹائمنگ پوچھ کر آتا ہوں۔"

شبیج نے نام بتایا جو اس نے بھی چند گھنٹوں پہلے پہلی بار سنا تھا اور اب یہ نام ہمیشہ کے لئے

درد سے منسوب ہو گیا تھا۔

ممبئی گواشاہراہ پر وہ چھوٹا سا اسٹاپ تھا جہاں اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کی اورنجی بسیں رکتی

تھیں۔ جہاں بس کی ٹائمنگ پوچھنے گیا تو وہاں کھڑے کھڑے اطراف کا جائزہ لیتی شبیج کو

اچانک پیاس کا احساس ہوا اور پیاس کے ساتھ ہی پانی کی بوتل اور بیگ یاد آیا تو اس کی چیخ

نکل گئی۔

"نہیں۔۔۔!" اس نے مڑ کر سڑک کو دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے بس غائب ہوئی تھی۔
خوف اور خدشات کے مارے وہ بیگ گود میں رکھے جاگتی رہی تھی۔ لیکن اللہ کی نعمتوں
میں سے ایک نیند، جو کہتے ہیں سولی پر بھی آجاتی ہے اس پر بھی مہربان ہو ہی گئی تھی۔ اس
کی بغل والی سیٹ پر بیٹھی خاتون جب اپنی منزل پر اتریں تو اس نے اپنا بیگ خالی ہوئی سیٹ
پر رکھ دیا تھا۔ اور جس ہڑ بڑاہٹ میں وہ بس سے نکلی تھی اسے بیگ کا خیال ہی نہیں آیا۔
"اس بھولنے والی عادت نے ہی یہ دن دکھایا ہے اور اب۔۔۔" اسے ایک دم رونا آگیا۔
جہان واپس آیا تو وہ ایک ہاتھ منہ پر اور دوسرا ہاتھ کمر پر رکھے آنسو بہا رہی تھی۔
"کیا ہوا؟" اس کا انداز اور آنسو، جہان کا کنفیوز ہونا بنتا تھا۔

"م۔۔۔م۔۔۔میرا بیگ۔۔۔" مارے صدمے کے الفاظ بھی ڈھنگ سے ادا نہیں
www.novelsclubb.com
ہو رہے تھے۔

"کیا۔۔۔؟"

"میرا بیگ بس میں ہی چھوٹ گیا ہے۔" وہ چہرہ صاف کر کے سنبھلی۔

"فون، ایڈریس، والٹ سب اسی میں ہیں۔" اس نے پھر پلٹ کر راستے کو دیکھا۔

"اب کیا کروں؟" اپنے پرانے ریکارڈ کے مد نظر اس نے بڑی ہوشیاری اور سمجھداری سے

ایڈریس ڈائری میں لکھنے کے بعد اپنے فون میں اس کی تصویر بھی لے لی تھی اور اب

ایڈریس، فون، ڈائری سب ایک ساتھ گنوا بیٹھی تھی۔

"بس کا اگلا اسٹاپ کیا ہے؟" جہاں نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔"

"آخری اسٹاپ کیا ہے؟"

"رتنا گری۔"

"بنگ آفس، کلینر، ڈرائیور کسی کا فون نمبر یاد ہے؟" اتنا تو جہاں نے دیکھا تھا کہ وہ بس

اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کی نہیں تھی۔ بی بی کی ذمہ داری کا مظاہرہ سامنے تھا سوا سے اپنا یہ

سوال بڑا ہی فضول لگا۔

شبلیج نے سرعت سے اپنی دائیں آستین اوپر کی اور کلائی پر بندھی گھڑی کے ڈائل کے نیچے سے تہ کیا ہوا پتلا سا کاغذ نکالا۔ وہ بس کا ٹکٹ تھا۔ روزانہ کالج کے لئے بس سے سفر کے دوران یوں تو وہ سہ ماہی پاس استعمال کرتی تھی لیکن کبھی کبھار جب ٹکٹ لینے کی نوبت آتی تو وہ ٹکٹ یونہی سنبھالا کرتی تھی۔ کیوں کہ اس کبھی کبھار میں بھی اس نے یہ طریقہ استعمال کرنے سے پہلے بس اسٹاپ پر کھڑے ٹکٹ چیکر کو کئی بار جرمانہ ادا کیا تھا۔ اس نے مہین سا کاغذ کھول کر جہان کے آگے کیا۔ اس پر بس نمبر اور سیٹ نمبر کے ساتھ ٹریول ایجنسی کا نام اور دادر آفس کا فون نمبر تحریر تھا۔ جہان نے اس نمبر پر فون لگایا۔ اسے شبہ تھا کہ صبح آٹھ بجے فون اٹھانے کے لئے وہاں کوئی موجود ہوگا بھی یا نہیں۔ مگر شکر تھا کہ تیسری رنگ پر دوسری طرف سے جواب مل گیا۔ جہان نے بیگ والی بات بتا کر بس کا نمبر بتایا اور کلینر کا فون نمبر لیا۔ پھر کلینر کو فون لگا کر اگلے اسٹاپ کے متعلق پوچھا۔

"چلو، اگلے اسٹاپ پر شاید وہ ہمیں مل جائے۔ ورنہ پھر رتنا گری تک پیچھا کرنا پڑے گا۔"

اس نے ٹکٹ واپس شبلیج کو تھمایا اور فون جیب میں ڈال کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ شبلیج تذبذب کا شکار یونہی کھڑی رہی۔

"اس غور و فکر میں بس نکل جائے گی۔" جہان نے آگے جھک کر اس کی سمت کا دروازہ کھولا۔

ایک اجنبی، بھلے ہی کچھ دیر پہلے اس نے اس کی مدد کی تھی، اس کے ہمراہ تھا، انجان راستے اور انجان منزل کے سفر پر نکلنا عقلمندی نہیں تھی۔ مگر کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔ نہ فون تھا، نہ پیسے۔ کچھ دیر پہلے والا منظر بھی ابھی یاد میں تازہ تھا۔ اس جگہ رکنے، کسی اور سے مدد طلب کرنے، یا تنہا ہی کچھ کرنے سے بہتر تھا وہ اس چند منٹوں کے شناسا کی مدد قبول کر لیتی۔

"یا اللہ میری مدد کرنا۔ پیپر اسپرے بھی بیگ میں ہے۔" اس نے آنکھیں میچ کر آسمان کی طرف سراٹھا کر دعا کی۔ پھر دعائیں پڑھتے اور جھجھکتے ہوئے کھلے دروازے سے اندر سیٹ پر آ بیٹھی۔

"سیٹ بیلٹ!" جہان نے بیلٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اولاً، او بر اور ٹیکسی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کسی گاڑی میں وہ بھی ایس یووی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ شبیچ کے بیلٹ لگانے کے بعد جہان نے گوگل میپ میں بس کا اگلا اسٹاپ سیٹ کیا

اور فون اسٹینڈ پر لگا کر گاڑی سڑک پر ڈال دی۔ شبیج دروازے سے لگ کر بیٹھی تھی۔ گود میں رکھے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتے ہوئے اس کا اضطراب صاف ظاہر تھا۔ جہان نے ایک اچھلتی نگاہ اس پر ڈال کر ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی تھی۔

"امی اور نہی کو میری غیر موجودگی کا علم ہو گیا ہوگا۔ اللہ کرے انہیں ٹیبیل پر رکھی میری لکھی چٹ نظر آجائے۔ صفی تو صبح اٹھ کر ٹریکنگ کے لیے نکل گیا ہوگا۔ کل اسی ٹریکنگ کی تیاری اور جلدی سونے کے چکر میں اس نے گزرے طوفان کے بعد رہ جانے والی نشانیوں پر غور ہی نہیں کیا تھا۔" کچھ ہی دیر میں اپنی سوچوں میں گم وہ پوری طرح فراموش کر بیٹھی تھی کہ کسی اجنبی کے ساتھ اس کی گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہے۔ وہ کئی متضاد

کیفیات میں گھری گھر سے نکلی تھی۔ سوچوں کی یلغار نے جلد ہی اس کے ذہن کو سن سا کر دیا تھا۔ 'ایک وقت میں ایک مسئلہ' کے اصول پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس نے پہلے اس ایڈریس پر پہنچنے کا سوچا اور کچھ دیر گوگل پر سرچ کرنے کے بعد وہ ٹیکسی سے دادر پہنچی تھی۔ غنیمت تھا کہ وہاں اسے سب سے آخری بس مل گئی تھی۔ صفورا کا پریشان اور فکر مند چہرہ جیسے اس کے ذہن سے چپک سا گیا تھا تو غصے سے بلبلاتی نہی ابھی بار بار

آنکھوں کے سامنے ناچ رہی تھی۔ اتنی ناراضگی اور طیش کے بعد بھی دونوں کے تصور نے اسکی پلکیں نم کر دی تھی۔

"ڈونٹ وری، انشاء اللہ بیگ میں جائے گا۔" اسے روتا دیکھ جہان نے تسلی دی۔ اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ وہ شاہراہ چھوڑ کر ذیلی سڑک پر آگئے تھے۔ راستہ خراب تھا سو وہ رفتار دھیمی کر کے بڑی توجہ سے گاڑی چلا رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر سوچوں کے گرداب میں گم تھی۔

"سارا خاندان تو اس سے لاعلم نہیں ہو سکتا۔ کیوں کبھی کسی نے مجھ تک سچائی پہنچانے کی کوشش نہیں کی؟ کیا پتہ اشاروں کنایوں میں کسی نے مجھ سے کچھ کہا ہو۔ مگر میں کیوں کر سمجھ پاتی۔ یہ تو میرے بدترین گمان کے سرحدوں سے بھی پرے کی خبر ہے۔ کبھی نہ کوئی

شک گزرانہ بھولے بھٹکے کوئی خیال ہی آیا۔"

"تو یہ کسی کا کمالِ محبت ہے یا کمالِ فریب!" اس کے اندر ہاتھ باندھے بیٹھی مسلسل ملامتی نظروں سے اسے گھورتی صفورا کی شبیچ نے طنز کیا۔

اس نے اضطرابی انداز میں پہلو بدلا۔ پھر پیروں سے براون لوفرز نکالے اور دونوں پیر موڑ کر سیٹ پر رکھ لئے۔ وہ غائب دماغی سے گود میں رکھے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جہان نے رفتار کم کرتے ہوئے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ شبیح بری طرح چونکی۔ بدترین وسوسے ذہن میں کلبلانے لگے تھے۔

"آگے پتہ نہیں کوئی ہوٹل یا ڈھابہ ملے نہ ملے۔ وہاں کچھ مکان نظر آرہے ہیں۔" جہان نے کھڑکی سے باہر دور اشارہ کیا۔ "وہاں ریکوئسٹ کر کے واش روم یوز کرنے مل جائے گا۔" شبیح پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اسکی بے چینی کا مطلب، اس حد سے زیادہ دوسروں کی فکر کرنے والے بندے نے جو نکالا تھا، وہ مارے شرمندگی کے سرخ پڑ گئی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آئی ایم فائن۔" اس نے پیر نیچے کر کے لوفرز میں ڈالیں اور

www.novelsclubb.com سیدھی ہو کر بیٹھ گئی

"شیور؟" اس کے سوال پر شبیح نے مثبت انداز میں سر ہلایا۔ جہان نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"ڈونٹ مائنڈ اٹ۔ میری چھوٹی بہن ڈائیسٹک ہے۔ اس لئے سفر کے دوران ہر ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد رکنے کی عادت ہے۔" اس نے کھڑکی سے باہر جھانکتی شرمندہ سی شبیج کو دیکھا۔
"اوہ۔۔۔ ابھی سے۔۔۔ کتنی چھوٹی ہے وہ؟" اس نے اپنا رخ جہان کی طرف کیا۔

"ڈائیسٹک ہو اتب وہ چار سال کی تھی فی الحال اس کی عمر سترہ سال ہے۔"

"فیملی میں اور بھی کسی کو ہوگی، مطلب پیرنٹس یا گرینڈ پرنٹس؟"

"ابو کو ہے۔"

اب وہ گردن موڑے کھڑکی کے باہر نہیں دیکھ رہی تھی۔ اب اس کی نظر اور توجہ سامنے سڑک پر تھی۔ وہ دونوں پھر لب بستہ اپنے اپنے خیالات میں گم تھے۔ جہان کا فون بجاتا دونوں نے اسٹینڈ میں لگے فون کو دیکھا۔ ویڈیو کال تھی جسے جہان نے ریجیکٹ کر دیا۔ چند منٹوں بعد دوبارہ رنگ ہونے لگی۔ جہان نے سر جھٹک کر گاڑی سڑک کے کنارے روک دی اور فون لے کر باہر نکلا۔ شبیج کالر کا نام دیکھ چکی تھی۔

"پھولن دیوی!" اس نے دل میں دہرایا۔ "ماں بیٹا تو بڑے مہذب لگتے ہیں۔"

"ڈرائیو کر رہا ہوں۔" کال رسیو کرتے ہی اس نے دانت پستے ہوئے ارش کو جتایا۔

"ہاں تو کوئی کال کر رہا ہو تو گاڑی روک کر بات کرتے ہیں۔ کال کٹ نہیں کرتے۔" وہ اپنے کالج کینیٹین میں بیٹھی تھی۔

"کیوں فون کیا وہ بتاؤ۔" جہان کو اندر بیٹھی شبیح کا خیال تھا اس لئے سیدھے کام کی بات پوچھی۔

"آپ بتائے بنا گوا کے لیے کیسے نکل گئے؟ اور سچ کہنا کون کون ہیں آپ کے ساتھ؟"

"اطلاع ملتے ہی تم نے مجھے لسٹ تھمائی تھی۔ وہ تم ابھی بھی مجھے ٹیکسٹ کر سکتی ہو۔"

"لسٹ تو میں نے آپ کو کب کی بھیج دی۔ آپ نے دیکھی نہیں اب تک؟ مسئلہ لسٹ کا

نہیں ہے، مجھے بھی آپ کے ساتھ آنا تھا۔" ارش کی بات پر جہان نے اپنی عقلمندی کو داد دی

کہ وہ صرف ماما کو بتا کر نکل آیا تھا۔ اور فی الحال اسے یہ بتانا بھی مصیبت تھی کہ لسٹ دیکھ

کر بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ گوا تک نہیں جائے گا۔

"تمہیں کس لیے میرے ساتھ آنا تھا؟"

"آپ چھپا کیا رہے ہیں مجھ سے؟" اس کی دھمکی نظر انداز کر کے ارش نے اپنے مخصوص جاسوسوں والے انداز میں آنکھیں چھوٹی کیں۔

"اللہ حافظ!" جہان نے ہاتھ ہلا کر کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر واپس آیا تو مسکرا رہا تھا۔ شبیح جوان دونوں کی گفتگو کا مزالے رہی تھی، انجان بن گئی۔

"یہ میری چھوٹی بہن ارش تھی۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ "میں اسی کی بات کر رہا تھا۔" اچھا۔۔۔ "وہ سر ہلا کر مسکرائی۔

"مزید پندرہ بیس منٹ کا راستہ ہے۔" اس نے دوبارہ فون اسٹینڈ پر لگاتے ہوئے کہا۔

"ایک بار کال کر کے انفارم کر دینا چاہئے کہ ہم پہنچ رہے ہیں تاکہ وہ ہمارے لیے رک جائیں۔" شبیح کے مشورے پر اس نے اسٹینڈ پر لگے فون سے ہی کال لگا کر اسپیکر پر کلینر سے بات کی۔

جب وہ اس چھوٹے سے دیہات کے بس اسٹاپ پر پہنچے تو دور سے ہی بس اور بس کے باہر کھڑا کلیئر نظر گیا۔ جہان کے گاڑی روکتے ہی وہ دروازہ کھول کر اس طرف دوڑی۔

"بڑی لا پرواہ ہو تم۔" کلیئر نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے مراٹھی میں کہا۔

"پتہ ہے مجھے بھی۔" اس نے بھی مراٹھی میں چڑ کر جواب دیا۔ جہان قریب آیا تو وہ قدرے ایک طرف ہو کر بیگ کھول رہی تھی۔ وہ براؤن لٹریوں والا بیگ پیک تھا۔ جسے ارش کو چڑانے کے لیے وہ اور شبان 'زنانہ بیگ پیک' کہتے تھے۔

شبلیج نے فون اور والٹ کی موجودگی کا یقین کر لینے کے بعد فون پاؤر آن کیا۔ نہی کے ٹیکسٹ میسجز تھے۔ پہلا میسج تھا۔

"کم ظرف عورت! فون نہیں اٹھانا ہے مت اٹھاؤ مگر آن تو رکھو"

پھر دوسرا "امی کی تسلی کے لیے ایک میسج ہی کر دو۔"

تیسرا تھا "زندگی بھر معاف نہیں کروں گی تمہیں۔"

اگلا میسج تھا، "پہنچ گئی اپنوں میں؟"

آخر میں لکھا تھا، "مروتم۔"

اس نے تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے ٹائپ کیا، "میں ٹھیک ہوں، بتا دینا۔" میسج سینڈ کرنے کے بعد اس نے فون پھر پاور آف کر کے بیگ میں ڈالا۔ پانی کی بوتل منہ کو لگائی تو ایک دم بھوک کا احساس بھی جاگا۔ بیگ سے ایسے وقتوں کا سہارا پارلے جی نکالا۔ ممبئی شہر میں موسم کا مزاج بگڑے یا سیاسی درجہ حرارت بڑھنے لگے، سب سے پہلے متاثر ہوتے ہیں نقل و حمل کے ذرائع۔ کبھی کوئی حادثہ یا پھر لوکل ٹرین کی لائن میں کوئی تکنیکی خرابی، ان حالات میں آپ کو گھر پہنچنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں اور کبھی کبھی تو بس، ٹرین یا کسی مقام پر پھنس گئے تو وہیں گھنٹوں گزر جاتے ہیں۔ ایسے حادثوں اور موقعوں کے لئے صفورا سب کے بیگ میں ہمیشہ کچھ بسکٹس اور پانی کی بوتل رکھنے کی ہدایت کے ساتھ گاہے بگاہے بیگ میں دونوں چیزوں کی موجودگی کا خود دیکھ کر یقین کرتی تھیں۔ پیکٹ کھول کر بسکٹ کھاتے ہوئے اس نے سامنے دیکھا تو جہان والٹ سے نوٹ نکال کر کلیئر کو دے رہا تھا۔ نوٹ تھام کر اس نے پورے دانٹوں کی نمائش کی اور شبیچ پہ ایک نگاہ ڈال کر بس میں چڑھ گیا۔

"بھوک تو مجھے بھی لگی ہے۔" قریب آکر اسے بسکٹ کھاتے دیکھ جہان نے اعلان کیا تو شبیح نے جھٹ پار لے جی کاپیکٹ اسے پیش کیا۔

"ناشتے کا وقت ہو رہا ہے۔" اس کی پیشکش نظر انداز کر کے جہان نے ذرا فاصلے پر بنی ہو ٹلوں کی طرف اشارہ کیا۔ "وہاں چل کر ناشتہ کرتے ہیں۔"

اسے شکریہ کے ساتھ وہ نوٹ لوٹانی تھی جو ابھی اس نے کلینر کو دی تھی اور کچھ شدید بھوک کا احساس تھا کہ وہ چپ چاپ اسکے پیچھے ہو لی۔ تین ہو ٹلوں میں سے نسبتاً غنیمت ہو ٹل کا انتخاب کر کے وہ سیدھا کاؤنٹر پر گیا، جبکہ شبیح ٹوٹے پھوٹے واش روم کی طرف۔ وہ فارغ ہو کر آئی تو وہ ٹیبل پر بیٹھا رومال سے گیلا چہرہ اور ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی ویٹر بھی حاضر ہو گیا۔

www.novelsclubb.com
فی الوقت یہ ہی اوبلیبل تھا۔ "اس نے سامنے رکھے انڈا بھرجی اور میسل پاؤ کی طرف
"اشارہ کیا۔"

"کچھ نیا کالمینیشن ہے۔" شبیج نے مسکرا کر ایک پلیٹ اپنے آگے کی اور صحیح معنوں میں دائیں بائیں اور سامنے سے بے خبر ہو کر پلیٹ پر ٹوٹ پڑی۔ جہان نے بڑی دلچسپی سے اس منظر کو دیکھا۔

"جہان۔۔۔" اس نے دوسری پلیٹ اپنے آگے کھینچی۔ "جہان مرزا نام ہے میرا۔" تیزی سے چلتے ہاتھ اور منہ روک کر شبیج جی بھر کے شرمندہ ہوئی۔ "کیا بھوکے ننگوں کی طرح ٹوٹ پڑی میں، حد ہے۔!" اس نے خود کو کوسا۔

"شبیج شیخ!" اس نے نجل چہرے کے ساتھ اپنا تعارف کرایا۔

"ہمم۔۔۔۔۔۔" اسے جہان کا یہ 'ہمم' بھی مزے لیتا محسوس ہوا۔ جہان نے اس کی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا گویا کہ رہا ہو 'جاری رکھو۔' اور خود اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔ دونوں ہی رات سے بھوکے تھے سو خاموشی سے اپنی پلیٹیں صاف کرتے رہے۔

"چائے یا کافی؟" ویٹر خالی پلیٹیں لینے آیا تو جہان نے دریافت کیا۔

"چائے۔۔۔" شبیج کو اس وقت چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ ویٹر سے چائے کا کہنے کے بعد جہان نے اس سے پوچھا۔

"تمہیں جانا کہاں ہے؟" اس کی بتائی جگہ کا نام اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔

شبیج نے بیگ سے چھوٹی ڈائری نکالی اور پتے والا صفحہ کھول کر اس کے سامنے رکھا۔ جہان نے گوگل میپ پر اس جگہ کا نام لکھ کر فون ٹیبل پر رکھا۔

"زیادہ دور نہیں ہے۔ میری منزل یہ ہے اور تمہاری یہ۔ مجھے یہی سے گزر کے آگے جانا ہے۔ میں راستے میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔" وہ اسکرین پر انگلی کے اشارے سے اسے بتا رہا تھا۔ وہ چپ رہی۔ تذبذب اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا۔

"آنسٹلی، حالات حاضرہ کے مد نظر تمہیں یوں تنہا سفر نہیں کرنا چاہیے وہ بھی اس انجان روٹ پر پہلی بار۔ تمہارے پاس اس بے وقوفی نما بہادری کی کوئی وجہ ہو لیکن مجھے یہ مناسب نہیں لگتا کہ ایک ہی راستے پر ہم الگ الگ جائیں۔" اس کی صاف گوئی پر وہ جزبز ہو گئی۔

"ویسے بھی ممانے تمہیں گھر تک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔" اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ تبھی ویٹر بل لے کر آگیا۔ اس نے سرعت سے بیگ کھول کر والٹ نکالا۔ جہان اپنا والٹ نکالتا تک اس نے ویٹر کو بل کے ساتھ پیسے تھما دیئے تھے۔

"تم نے کلینر کو کتنے پیسے دیئے؟"

"حساب برابر۔" جہان نے دور جاتے ویٹر کی طرف اشارہ کیا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ باہر نکلا تو شبیع بھی کے پیچھے دوڑی۔

جہان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا مگر وہ بیگ سینے سے لگائے باہر ہی کھڑی تھی۔ جہان نے ہارن بجا کر اسے متوجہ کیا۔ شبیع نے اس کی طرف پشت کی اور آنکھیں میچ کر سر اٹھا کر دعا مانگی۔

"یا اللہ، پیپر اسپرے ہے میرے پاس، پھر بھی تیری مدد درکار ہے۔" ایک لمبی سانس لے کر وہ جہان کے برابر والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"یہ بیوقوفی نہیں ہے۔ ہمارے کالج میں ریگولر سیلف ڈیفنس ورکشاپس ہوتی تھیں اور میں نے ایک بھی مس نہیں کی تھی۔" سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے اس نے جہان کو آگاہ کیا۔ "اور تھوڑے بہت کراٹے بھی جانتی ہوں میں۔" جہان کا ساتھ بڑا بے ساختہ تھا۔ "یہ میرے ہلکے لئے اطلاع ہے یا وارننگ؟" جہان نے سوچا۔

"گڈ!" ایک توصیفی نظر اس پر ڈال کر جہان نے گاڑی آگے بڑھادی۔

دونوں ہی چپ چاپ اپنے خیالوں میں گم تھے۔ بڑی دیر بعد فون کی آواز پر دونوں کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا۔

"مام کالنگ۔" دونوں نے ایک ساتھ فون کو دیکھا۔

جہان نے ڈیش بورڈ کے گلوباکس سے بلیوٹوتھ ہیڈ سیٹ نکال کر کان میں لگایا۔

"السلام علیکم ماما۔"

"ہاں۔۔۔۔۔ کر لیا۔"

"نہیں، جارہے ہیں۔۔۔۔۔ راستے میں ہیں۔"

"او کے، پہنچ کر کال کرتا ہوں۔"

"اللہ حافظ۔" وہ ڈرائیونگ کر رہا تھا اس لئے تسمیہ نے اختصار سے کام لیتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔

"مما پوچھ رہی تھیں تمہیں گھر ڈراپ کیا یا نہیں۔" ہیڈ سیٹ کان سے نکالتے ہوئے جہاں نے اسے دیکھا۔ وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

"ویسے میرا خیال ہے کہ تم اپنے گھر نہیں جا رہی ہو۔" اس کے فقرے کا اپنے گھر سے اٹھ کر کے لگا۔

"سوری۔" اس کا متعیر چہرہ دیکھ کر جہاں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ وہ حد پھلانگ گیا ہے۔

"میرا گھر ممبئی میں ہے۔" وہ جلد ہی سنبھل کر گویا ہوئی۔ اس کے اندر بیٹھی صفورا کی شہینہ تمسخرانہ مسکرائی تھی۔ اس کے اندر چل رہے مذاکرات میں دھڑا دھڑاٹھ رہے سوالات اور نئے نئے اڈتے خیالات اسے پاگل کرنے کو تھے۔ کچھ دیر پہلے ملائیہ اجنبی سامع بن کر

اسے پاگل ہونے سے بچا سکتا تھا اور پھر ذرا دیر بعد اس اجنبی سے دوبارہ ملنے کا کوئی امکان بھی نہیں تھا۔

"اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس انجان راستے پر میں پہلی بار سفر کر رہی ہوں۔" اس نے کھڑکی کے شیشے کے پار گزرتے سرسبز شاداب اور خوشنما منظر کو دیکھا۔

"کل تک مجھے بھی علم نہیں تھا کہ اس علاقے سے میرا اتنا گہرا اور قریبی تعلق ہے کہ آج میں یہاں پہنچ جاؤں گی۔" جہان نے گردن موڑ کر اس سے دیکھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔ ایک بار پھر اس نے پیروں سے لوفرز نکالیں اور پیر موڑ کر سیٹ پر رکھ لیے۔ اب اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں۔

"کل تک میری ایک پرفیکٹ فیملی تھی۔ ابو چار سال پہلے ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر بھی ہم ایک طرح سے مکمل تھے۔ میں، نبی، صفی اور۔۔۔۔ اور امی۔" گلے میں اٹک رہے پھندنے اسے چند پلوں کے لیے روک دیا تھا۔

"لیکن کل میں نے جانا کہ ابو کے بعد وہاں میرا ک۔۔۔ کو۔۔۔ کوئی نہیں۔ میں چھوٹی تھی، نہ سمجھ تھی تب تک سمجھ میں آتا ہے کہ کسی نے مجھے بتایا نہیں لیکن اس کے بعد۔۔۔۔ اس کے بعد تو یہ سراسر زیادتی ہے، حق تلفی ہے۔ مجھے میرے پیدائشی اور بنیادی حق سے محروم رکھا گیا اور میں ایک طرفہ معاملہ سن کر کیسے مان لوں کہ مجھے سنائی گئی کہانی سچ ہے۔" وہ لاشعوری طور پر اپنے قدم کو جائز ٹھہرانے کے جواز ڈھونڈ رہی تھی مگر حقیقتاً اس کا ہر جملہ خود اذیتی کی مثال تھا۔

"میں نے نہ کچھ غلط کیا، نہ کچھ غلط کہا۔" شبیح نے سڑک سے نظر ہٹا کر جہان کو دیکھا جیسے وہ ابھی اس کی تائید کرے گا۔

"یہ ریڈل میری سمجھ میں آئے تو بتاؤں، صحیح کیا یا غلط۔" جہان نے اس الجھی لڑکی پر ایک نرم نگاہ ڈالی۔

"میں اس ہستی سے ملنے نکلی ہوں جس نے مجھے جنم دیا تھا۔" الفاظ کے انتخاب میں اسے کچھ وقت لگا۔ اس کا دل 'ماں' کہنے کے لئے آمادہ نہیں ہوا تھا۔ "اور اس ہستی کے وجود سے میں کل تک بے خبر تھی۔"

"اگر اخبار پڑھتی ہو تو سبحان ملک کو جانتی ہو گی۔"

"وہ سیاستداں سبحان ملک جو فی الحال۔۔۔۔۔"

"ہاں وہ ہی۔۔۔۔۔ سبحان ملک کی بیٹی کی شادی ہے۔" شبیچ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تمہارے ابو کا نام کیا ہے؟" اس کا سوال سمجھ کر وہ ہنس دیا۔

"میرے ابو سیاستداں نہیں ہیں۔ وہ عام سے انسان ہیں۔ صاحبہ میری کلاس میٹ اور دوست تھی۔"

"اچھا۔۔۔۔۔ دوست تھی۔۔۔۔۔ اور تم اتنی دور اس کی شادی میں شریک ہونے جا رہو ہو۔۔۔؟" مسلسل ایک ہی نہج پر چل رہے ذہن کو تبدیلی کی ضرورت تھی اور جہان کی باتوں نے دلچسپی کا سامان مہیا کر دیا تھا۔ اس کے بدلتے موڈ کو محسوس کر کے جہان مسکرایا۔

"دوست کے علاوہ اسے وہ پہلی لڑکی ہونے کا شرف حاصل ہے جو مجھے پسند آئی تھی۔"

"صرف پسند آئی تھی؟"

"ہمم۔۔۔ معاملہ اس سے آگے بڑھا ہی نہیں۔"

"کیونکہ وہ سیاستداں کی بیٹی تھی؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے لگا تھا کہ ماما سے اپرو نہیں کریں گی۔"

"مطلب صرف شروعات تھی اور وہ بھی ایک طرف۔"

"کاش یہ ایک طرف ہی رہتی!" جہان نے دل میں سوچا۔

"تمہاری کلاس میٹ، جسے پسند کرنے کے بعد بھی تم نے دوست تک ہی محدود رکھا اور

اب اتنی دور اس کی شادی میں تنہا شریک ہونے جا رہے ہو وہ بھی شاید گھر والوں سے

جھوٹ کہہ کر۔" نقطہ سے نقطہ جوڑ کر اس نے واضح خط بنانے کی کوشش کی۔

"میں بالکل اجنبی ہوں اور کچھ گھنٹے بعد تمہیں دوبارہ ملوں گی بھی نہیں۔ اس لیے دروغ

گوئی کا کوئی فائدہ ہے نہ سچ کہنے میں کوئی ضرر!" اس نے مسکرا کر واضح کیا۔

جہان نے پر سوچ نظر اسکی سمت کی۔ ظفر اور نوید بھی اسکے اچانک شادی میں جانے کے فیصلے پر حیران تھے۔ پہلی بار اس نے تسمیہ سے بھی جھوٹ کہا تھا کہ دوست کی شادی میں جا رہا ہے اور باقی دوست مع ظفر اور نوید کے پہلے ہی نکل گئے ہیں۔ آدھا راستہ طے کر لینے کے بعد وہ خود بھی متزلزل تھا کہ آگے سفر جاری رکھے یا پلٹ جائے؟ شبیح پہ نظر پڑنے سے پہلے ماما سے بات کرتے ہوئے وہ یہی سوچ رہا تھا کہ لوٹ جانا چاہئے۔ اس نے شبیح سے نظر پھیر کر راستے پر مرکوز کی۔

"صاحبہ میری پسندیدگی سے واقف تھی۔ اس نے میرے وہیں رک جانے کو ریجیکشن اور کسی حد تک انسلٹ کی طرح لیا۔ اس کی رویے اور رد عمل سے ظاہر تھا کہ وہ بہت ہرٹ ہوئی ہے۔ اس نے برائے راست یا صاف لفظوں میں کبھی کچھ نہیں کہا۔ ہماری دوستی تو قائم رہی مگر ہمارے بیچ ایک ان دیکھی سرد جنگ ہمیشہ چلتی رہی۔ وہ باتوں باتوں میں یا کبھی مباحثے کے دوران یہ جتنا نہیں بھولتی تھی کہ ماما کی وجہ سے میں نے اپنی فیلینگز کا گلا گھونٹا ہے۔ ان شارٹ وہ ہر طریقے سے یہ کہا کرتی تھی کہ دیکھتی ہوں کیسے تمہیں مجھ سے بہتر کوئی ملتی ہے اور کیسے تمہاری ماما تمہاری پسند کو بخوشی اپناتی ہیں۔ اور پھر۔۔۔"

وہ ذرا اٹھہرا۔ کل جب اس نے یہ پوچھنے کے لیے فون کیا کہ میں شادی میں آتورہا ہوں نا تب اس نے اعتراف کیا کہ آج بھی اسے یقین ہے کہ کالج میں اس سے محبت کرتا تھا لیکن ممانے اسے ریجکٹ کر دیا تھا اور یہ کہ آج بھی میں اسی لیے تنہا ہوں کہ اسے بھول نہیں پایا ہوں۔ جبکہ اس کی دونوں بلکہ تینوں ہی باتیں غلط ہیں۔"

"تینوں باتیں کیسے غلط ہیں؟"

"مجھے اس سے محبت نہیں تھی۔ ممانے کبھی اس سے ملیں نہ کبھی اسے دیکھا تو ریجکٹ کہاں سے کرتیں۔"

"اگر تمہاری ماما، صاحبہ سے ملیں ہی نہیں تو تم نے کیسے سوچ لیا کہ وہ انہیں پسند نہیں آئے گی؟"

"کالج کے فرسٹ ایئر میں صاحبہ کو پہلی بار دیکھنے اور سر سری ملاقاتوں کے بعد وہ مجھے اچھی لگی تھی۔ پھر جلد ہی ہمارا گروپ بن گیا۔ اس کے بعد اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔"

کیوں کہ اس دنیا میں میری ماما کو مجھ سے بہتر کوئی اور نہیں جانتا، میرے ابو بھی نہیں!"
جہان کے تیقن پر شبیح نے اسے ستائشی نظروں سے نوازا۔

"ویسے اگر صاحبہ بھی تمہاری ماما سے کبھی ملی نہیں تو اسے کیوں لگا کہ انہوں نے اسے
ریجیکٹ کیا ہے؟"

"ہا ہا ہا۔۔۔۔۔ سبھی کو میرے اور ماما کے اسپیشل بونڈ کا پتا ہے۔ میرے لئے ان کے گرین
سگنل سے بڑھ کر کچھ نہیں۔"

اسے ذرا دیر پہلے والی ماں بیٹے کی گفتگو یاد آگئی۔

"میری پیدائش کے وقت میری ماما کی عمر پورے اٹھارہ سال بھی نہیں تھی۔" جہان کی
بات پر اس کا حیران ہونا عجب نہیں تھا۔

"ابو اور ماما کا ایچ ڈیفرنس بارہ سال ہے۔ یوں سمجھو میں اور ماما ایک ساتھ بڑے ہوئے
ہیں۔" اپنی بات پر وہ خود ہی ہنسا۔

"کم عمری میں ذمہ داریوں اور نامساعد حالات کے باوجود انہوں نے بڑی محبت، محنت اور لگن سے اپنا گھر جنت بنایا ہے۔ اگر آج وہ ابو اور ہم تینوں کی زندگی کا محور ہیں تو وہ یہ ڈیزرو کرتی ہیں"

شبیچ کے اندر ”بڑی محبت، محنت اور لگن سے اپنا گھر جنت بنانا ہے۔“ کی تکرار ہونے لگی تھی۔

"میری نانی کے انتقال کے بعد نانا نے دوسری شادی کر لی تھی اور دوسری نانی ٹیپیکل کہانیوں والی سوتیلی ماں تھیں۔" جہان اپنی کہے جا رہا تھا اور شبیچ کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ "مما اس وقت دس گیارہ سال کی تھیں۔ یہاں ہماری دادی سدا کی مریض۔ ابو گھر میں سب سے بڑے تھے سو گھر سنبھالنے کے لیے ایک عدد میڈ کے کل وقتی انتظام کی خاطر ابو کی شادی ماما سے کر دی گئی۔ میری ماما سترہ سال کی عمر گھر کے کاموں میں طاق ہو چکی تھیں۔" اس نے رک کر ایک گہری سانس لی۔ "ابو نے دونوں چاچا اور دونوں پھوپھیوں کی تعلیم اور شادی کی ذمہ داریاں نبھائی اور ماما نے اتنا بڑا خاندان سنبھالا۔ جہاں وہ صرف رشتے میں بڑی تھیں، عمر میں باقی سب ان سے بڑے تھے۔ مگر کسی نے انہیں عمر کی

رعایت نہیں دی تھی۔ خیر وہ وقت گزر گیا۔ دادا کے بعد جاندا اور بزنس کی تقسیم ہونے پر جب سب علاحدہ ہوئے تب جیسے ماما اور ابو نے پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھا۔ "وہ بڑی خوشدلی سے مسکرا رہا تھا۔" اب وہ اس کھوئے وقت کی بھرپور طریقے سے تلافی کرتے ہیں۔ ان کی قربانیوں اور اچھی نیت کا ثمر ہے کہ آج ہماری فیملی ہر لحاظ سے سب سے خوشحال ہے۔ "بات کے اختتام پر وہ شہباز کو دیکھ کر مسکرایا جو اب وہ بھی مسکرائی تھی مگر اندر ذرا دیر پہلے والا سکون غائب تھا۔

"تم سب سے بڑے ہو؟"

ہاں۔۔۔۔۔ میرے بعد ارش اور اس کے بعد شبان۔ ارش مجھ سے دس سال چھوٹی ہے جبکہ شبان اس سے دیرٹھ سال چھوٹا ہے۔ "تبھی اس کے فون پر ظفر کی کال آنے لگی۔ اس نے بلیوٹو تھ ہیڈ سیٹ نکال کر کان میں لگایا اور شہباز نے سیٹ کی پشت پر سر ٹیک کر آنکھیں موند لیں۔

"یہ کیا کرنے جا رہی ہوں میں؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ جواب میں پھر اندر تو تو میں میں شروع ہوگی۔

کال ختم کر کے جہان نے گردن موڑ کر اسے دیکھا جس کا چہرہ اندرونی کشمکش کا 'سائن بورڈ' بنا ہوا تھا۔ وہ کبھی لب بھینچتی تو کبھی آنکھیں زور سے میچ لیتی، کبھی گردن کو جنبش دیتی تو کبھی لب کاٹنے لگتی۔ جہان نے موبائل سکرین پر بتدریج گھٹی بلوائن کو دیکھا۔ اس کی منزل تک پہنچنے تقریباً گھنٹے بھر کا وقت تھا۔ کتنی ہی دیر بعد اچانک سڑک پر نظر آنے والے گڑھے کو دیکھ کر جہان بریک لگایا تو جھٹکے پر وہ بھی جیسے نیند سے جاگی۔

"سوری۔۔۔"

"اور کتنا وقت ہے؟" اس نے اپنی کلانی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تیس پینتیس منٹ۔"

وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔ اس نے اسکول میں سیہادری اور ویسٹرن گھاٹ پڑھا تھا۔ دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ بحرہ عرب سے لگا ملک کا یہ مغربی ساحلی علاقہ جو چار ریاستوں میں پھیلا تھا، بے شک خوشنما مناظر سے بھرا تھا۔ اس نے اپنی کوکئی دوستوں سے اکثر اس علاقے کی خوبصورتی کے متعلق سنا تھا اور آج خود بھی قائل ہو گئی تھی۔ کئی

ندیاں اور ان پر بنے چھوٹے چھوٹے پل گزرے تھے۔ ستمبر کا مہینہ تھا سو بارش کی خوش رنگ مہربانیاں ہر سو بکھری تھیں۔

"میں کھڑکی کھولوں؟" اس نے پلٹ کر جہاں سے پوچھا۔ جہان نے اے سی بند کر کے کھڑکیاں کھول دیں۔ شبیج نے ہاتھ باہر لہرا کر سردی ہوا محسوس کی پھر دونوں کلائیاں کھڑکی پر رکھ کر آگے جھک کر ذرا سا سر باہر نکالا۔ سیکنڈ ہی لگے تھے دوپٹہ اور بالوں کا حال ہونے میں۔ اس نے فوراً سر اندر کیا۔

"ایسی مست ہوا ہے کہ اے سی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" دوپٹہ اور بال درست کر کے اس نے شیشے آدھے چڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس راستے پر گرد تھی کافی اس لیے!" اس کا اشارہ بیگ کے لیے بس کے پیچھا کرنے والے راستے کی طرف تھا۔ وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے انگلیاں مروڑتی رہی پھر کچھ سوچ کر پچھے سے بیگ اٹھا کر فون نکالا اور پاور آن کیا۔ حسبِ امید نہیٰ کے میسیجز تھے۔

"زندہ ہونے کی خبر پہچانے کا شکریہ۔"

"پہنچ گئی اپنوں میں؟"

"سیلفی ضرور بھیجنا۔"

وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بار بار اس کے میسجز پڑھے جا رہی تھی۔

"میں بلکل اجنبی ہوں اور کچھ گھنٹے بعد تمہیں دوبارہ ملوں گا بھی نہیں۔" جہان کی بات پر

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اسی کا جملہ دوہرا رہا تھا۔ "اس لیے دروغ گوئی کا کوئی فائدہ

ہے نہ سچ کہنے میں کوئی ضرر!" اسے لفظ بہ لفظ یاد تھا۔

اس نے ادا سی سے مسکرا کر فون آف کیا اور فون بیگ میں ڈال کر غائب دماغی سے بیگ کی

زپ آگے پیچھے کرنے لگی۔

"چیزیں کھونے اور گم کرنے والی میری عادت بڑی پرانی اور مشہور ہے۔ اسکول اور کالج

میں جب بھی ڈاکیومنٹس کی ضرورت پڑی، ڈاکیومنٹس سنبھالنے کے لیے امی ہمیشہ

میرے ساتھ رہیں۔ مارک شیٹس کے علاوہ کسی اور پیپر کو میں نے کبھی اتنے غور سے

نہیں دیکھا۔ فرسٹ ایئر میں کبھی اتفاق سے میں نے ٹینتھ کے رزلٹ پر امی کے نام کی

جگہ سمیرا لکھا دیکھا۔ میرا سینتھ کارزلٹ ابونے آن لائن دیکھا تھا۔ اس وقت میری ساری توجہ مارکس پر تھی اس لیے میں نے کسی اور بات پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ میرے استفسار پر امی نے کہا کہ ان معاملات میں ہمارے یہاں عمو ماجو اسپیلنگ مسٹیکس ہوتی ہیں، یہاں بھی وہ ہی ہوا ہے۔ صفورا سمیرا ہو گیا ہے اور آگے ڈاکو مینٹس میں 'مدر نیم' استعمال نہیں ہوتا ہے اس لئے کسی نے کریکشن بھی نہیں کروایا۔ مجھے ان کی بات درست لگی۔ میں نے مان لی اور بھول بھی گئی۔ "اس نے ہاتھ کی مصروفیت روک کر اسے دیکھا۔" کل رات اپنی کتابوں والی الماری کی صفائی کے دوران ابو کی کچھ پرانی فائلیں بھی نکلیں۔ اسی میں مجھے شادی کا پرانا کارڈ ملا جس پر ابو کے نام کے ساتھ دلہن کے نام کی جگہ سمیرا لکھا تھا، دلہن کے والد کا نام بھی نانا کا نام نہیں تھا۔ اور شادی کی تاریخ میری پیدائش سے تقریباً دس ماہ پہلے کی تھی۔ مجھے مارک شیٹ یاد آگئی۔ میں وہ لے کر امی کے پاس گئی۔ "اس نے اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔ صفورا کا چہرہ سامنے آتے ہی بڑی شدت سے سینے میں درد لہرایا تھا۔ حیرانی، دکھ، تاسف اور پتہ نہیں کیوں اور کیسے پہلی بار اسے صفورا کے چہرے پر ندامت اور جرم کی رمت نظر آرہی تھی۔ جس تیزی اور بے قراری سے وہ اس کی سمت

بڑھی تھی، "شبیچ میری جان۔۔۔۔۔" اسی رفتار سے وہ پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے چہرے پہ بکھرا لہو اس پل جہان کو بہت کھلا تھا۔

"ساری عمر جو میری ماں رہیں، دراصل ان سے میرا کوئی خونی رشتہ ہی نہیں اور مجھے دنیا میں لانے والی چند دنوں کی عمر میں ہی مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ زبردستی کی شادی جو وہ کچھ دنوں میں ہی ختم کرنا چاہتی تھیں، میری آمد کے انتظار میں انہیں میری پیدائش تک چلانی پڑی تھیں۔" اسے یاد آیا صفورا کی اس بات کے جواب میں اس نے کس بد تمیزی سے کہا تھا۔ "میں کیسے مان لوں، جو اپنی کہانی اور صفائی کے لیے یہاں موجود نہیں ہے اس کے بارے میں مجھے سچ کہا جا رہا ہے۔ اتنے سال اندھیرے میں رکھ کر آپ نے مجھے میرے بنیادی اور فطری حق سے محروم رکھا، جس کا آپ کو کوئی حق نہیں تھا۔" اس نے عارض پر پھسلتے آنسو ہتھیلی میں جذب کیے۔

جہان رفتار کم کر کے پاس بیٹھی اداس اور الجھی لڑکی کو دیکھا۔ "تو تم بھی میری طرح لمحوں میں فیصلہ کر کے گھر سے نکلی ہو۔" اس نے دل ہی دل میں شبیچ کو مخاطب کیا۔

"نہ بتانے کی ان کے پاس ضرور کوئی وجہ ہوگی۔" جہان نے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"کوئی بھی وجہ میری رگوں میں دوڑتے خون کی حقیقت سے بڑی نہیں ہو سکتی۔" لب
بھینچ کر بیٹھی صفورا کی شہیج نے اٹھ کر اسے زوردار طمانچہ رسید کیا۔

"تمہارا رد عمل سمجھ میں آتا ہے مگر ایک بات بتاؤ، تمہیں دکھ کس بات کا ہے، اپنی سگی ماں
سے اب تک بے خبر رہنے کا یا اب تک جسے ماں سمجھتی رہی اس کے سگی ماں نہ ہونے کا؟"
وہ جس اہم سوال سے نظریں چرار ہی تھی، جہان نے بڑے آرام سے پوچھ لیا۔

"ایمانداری سے کہوں تو، اس کا جواب مجھے بھی نہیں پتہ" اس نے تھک کر پیچھے سر ٹکا کر
آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد جہان گویا ہوا۔

"تم گھر میں بتائے بنا نکلی ہو۔" یہ استفسار تھا یا اعلان، اس نے نہ جواب کی ضرورت سمجھی
نہ توشیح کی۔

"تمہیں انہیں فون کر کے بتادینا چاہیے۔"

"میں نے نہی کو ٹیکسٹ کر دیا ہے۔" وہ آنکھیں کھول کر سیدھی ہوئی۔ "ویسے بھی مجھے
ایڈریس امی نے خود لاکر دیا تھا کہ اگر میں ملنا چاہتی ہوں تو وہ خود مجھے لے چلیں گی۔"

"تو تم ذرا صبر ہی کر لیتی!" صفورا کی شبیج نے دانت پیسے۔ "اسے لفظ بہ لفظ یاد تھا۔"

"مجھے تمہاری ماں کی جگہ تمہارے ابو نے دی تھی۔ مجھے محبت پہلے تم سے ہوئی تمہارے

ابو سے بعد میں۔" صفورا نے آنسو روکنے کا جتن نہیں کیا تھا۔ "سمیرا کے بارے میں نہ

بتانے کا فیصلہ تمہارے ابو کا تھا۔ میرا قصور یہ ہے کہ اتنے سالوں میں میں فراموش کر

بیٹھی تھی کہ سمیرا تمہاری ماں ہے۔ یہ اس کا ایڈریس ہے۔ تم جب کہو میں تمہیں اس

کے پاس لے چلوں گی۔" وہ کاغذ کا پرزہ پلنگ پر اس کے سامنے رکھ کر چلی گئی تھیں۔

"ہم تقریباً پہنچ ہی گئے ہیں۔" جہان کی آواز پر اس کا تخیل ٹوٹا۔

وہ بستی کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ دیہات تو نہیں بلکہ چھوٹا سا شہر لگ رہا تھا۔ اس

کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"یہاں پہنچنے کے بعد کیا؟" ذہن کی ساری کھڑکیاں اور دروازے اس سوال کے جواب

میں جیسے احتجاجاً بند ہو گئے تھے۔ اس نے بیگ سے بوتل نکال کر خشک پڑتے حلق کو تر

کیا۔

"میں یہیں اتر جاتی ہوں۔" گاڑی کشادہ سڑک چھوڑ کر تنگ گلیوں میں داخل ہوئی تو شبیح نے کہا۔

"پہنچ گئے۔" اس نے کنارے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔

"ویسے میں آج رات ہی واپس جاؤں گا۔ اگر تم بھی۔۔۔"

"نہیں۔" اس نے قطع کلامی کی۔ "آگے کیا ہوگا، کتنا وقت لگے گا، میں کہاں اور کب جاؤں گی، کچھ بھی یقینی نہیں ہیں۔"

"اوکے۔" اس نے بھی مزید اصرار نہیں کیا۔ "مکمل ایڈریس دینا۔" شبیح نے ڈائری نکالی اور ایڈریس والا صفحہ کھول کر ڈائری اس کی طرف بڑھائی۔ جسے تھام کر وہ باہر نکل گیا۔ ذرا آگے چل کر سڑک کی دوسری طرف نظر آ رہے میڈیکل اسٹور میں جا کر وہ کچھ دیر بعد واپس آیا۔

"وہ سامنے گلی میں آخری مکان ہے۔" اس نے اسی میڈیکل اسٹور سے لگی گلی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بیگ لیے نیچے اتر آئی۔

"آل دابیسٹ!" ایک مخلص مسکراہٹ کے ساتھ جہان نے اسے حوصلہ تمھایا۔

"تھینکس۔ سب کے لئے، ان ڈرائیوروں سے بچانے، بیگ، لفٹ اور سننے کے لیے۔"

"آئی ہوپ جو الجھنیں ہیں وہ وہاں جا کر سلجھ جائیں۔" اس نے سامنے گلی کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہا۔ "تم اضطراری رد عمل اور لمحاتی فیصلے کے بعد گھر سے نکلی ہو۔۔۔۔۔ وہ

رک کر سوچنے لگا کہ آگے کی بات کہے یا نہ کہے۔

"میں سن رہی ہوں۔" شبیح نے اس کی مشکل آسان کی۔

"میرے خیال میں رشتے صرف سگے سوتیلے نہیں ہوتے ہیں بلکہ ہم ہر تعلق کو اچھے

برے، خوبصورت بد صورت یا گہرا اور سرسری میں تقسیم کر سکتے ہیں لیکن اسے صرف

سگے سوتیلے کی کسوٹی پر پرکھنا اس رشتے کے ساتھ نا انصافی ہے۔ سو کچھ بھی رد کرنے اور

قبول کرنے سے پہلے یہ ضرور یاد رکھنا۔"

"میں یاد رکھوں گی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم نکلو اب۔ دعا کرتی ہوں صاحبہ کو تمہاری باتوں پر یقین آجائے۔" جہان نے ہنستے ہوئے سر ہلایا۔ شبیع نے اسے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو چار و ناچار اسے بیٹھنا پڑا۔

"اللہ حافظ۔" شبیع نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اللہ حافظ۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور الوداعی نظر اس کے چہرے پر ڈال کر آگے بڑھادی۔ نظروں سے اوجھل ہونے تک شبیع گاڑی کو دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس لے کر بیگ پیک دونوں کندھوں پر ڈال کر پیچھے لٹکایا اور خود کو تیار کر کے گلی میں داخل ہو گی۔

"میں کیا کہوں گی؟ کیسے اپنا تعارف کراؤں؟ شاید وہ خود ہی مجھے پہچان لیں۔ ان کی بھی تو فیملی ہو گی، شوہر اور بچے۔۔۔۔ کیا یہاں بھی یہ راز ہی ہو گا جو میری آمد پر کھلے گا؟ اگر انہوں نے پہچاننے سے انکار کر دیا تو؟ نہیں۔۔۔۔ وہ ایسا نہیں کر سکتیں۔ کیوں نہیں کر سکتیں؟ اتنے سالوں تک جس نے تمہیں کبھی یاد تک نہیں کیا، اس کے لئے کیا مشکل ہے۔ کیا پتا انہوں نے یاد کیا ہو، ایک بار نہیں کئی کئی بار، اس طرف ہی کسی نے مجھے خبر

نہیں ہونے دی۔۔۔۔ مجھے چھوڑ کر بھی تو وہ ہی گئی تھیں۔۔۔۔" جذبات اور خیالات کی یلغار نے اسکے اندر ہیجان برپا کر دیا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے گہری گہری سانسیں لے کر خود کو قدرے پرسکون اور منظم کیا اور کال بیل پر انگلی اکھ دی۔

"پلٹ جا۔ بھاگ یہاں سے۔۔۔" صفورا کی شہیج کی تکرار جاری تھی جس کی طرف سے اس نے مکمل کان بند کر لیے تھے۔ دروازے کی دوسری طرف آہٹ ہوئی تو اس کی رگوں میں خون کی روانی تیز ہوئی اور سارے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ دروازہ کھلا تو دوسری طرف ایک معمر سی خاتون تھیں۔

"وہ اتنی عمر رسیدہ نہیں ہو سکتی۔" اس نے دل میں سوچا اور بلند آواز میں سلام کیا۔

"وعلیکم اسلام۔"

"جی مجھے سمیرا پاوسکر سے ملنا ہے۔" اس نے وہ اجنبی سا نام پہلی بار زبان سے ادا کیا۔

"کون۔۔۔؟"

"سمیرا پاوسکر۔"

"مدیحہ۔۔۔۔" ان خاتون نے اندر کی طرف رخ کر کے کسی کو آواز لگائی۔ لمحہ بھر بعد اسی کی ہم عمر لڑکی برآمد ہوئی۔

"جی دادی۔" اس کی نظریں ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ تھیں، جہاں وہ تیزی سے ٹائپ کر رہی تھی۔

"انہیں دیکھ کس سے ملنا ہے۔" دادی کی بات پر مدیحہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"سمیرا پاؤسکر سے ملنا ہے۔"

"امی۔۔۔۔" وہ جیسے فون میں مگن آئی تھی ویسے ہی آواز دیتے ہوئے پلٹ

گئی۔ "دروازے پر دیکھیں کون آیا ہے۔"

شبلیج کو گڑبڑ کا احساس ہونے لگا۔ مدیحہ کے غائب ہونے اور 'امی' کے وارد ہونے تک

'دادی' اس کا تفصیلی جائزہ لے چکی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھ سے بیگ کا ایک اسٹریپ تھامے

اجمقوں کی طرح مسکرا رہی تھی۔ جبکہ دراصل اندر اس کا حال انڈیا پاکستان کے کرکٹ میچ

کے اس ناظر جیسا تھا جو، آخری بال پروکٹ گرے گا یا جیتنے کے لئے درکار چھکا پڑے گا، سوال سے نبرد آزما اپنے ناخن کترتا ہے۔

"جی کیسے؟" "امی" نے آکر پوچھا۔

"سمیرا پاؤسکر سے ملنا ہے۔" زندگی بھر نام نہ لینے کی تلافی گویا آج ہی ہو جانا تھی۔ "یہ انہیں کا گھر ہے نا؟"

"تھا۔ وہ لوگ دو سال پہلے یہ مکان فروخت کر کے رتنا گری منتقل ہو گئے ہیں۔"

اس کے اندر جل رہی بھڑ بھڑ آگ پر جیسے ایک دم برف پڑ گئی۔ اس کا متغیر ہوتا چہرہ دونوں خواتین نے دیکھا۔

"یوسف کے پاس ان کا نیا ایڈریس ہوگا۔" "دادی" نے "امی" سے کہا۔

"شاید۔۔۔۔۔ میں پوچھتی ہوں۔ آپ اندر آئیں۔"

"شکر یہ۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔ اگر ان کا کرنٹ ایڈریس مل جائے تو۔۔۔۔۔"

"میں دیکھتی ہوں۔" وہ اندر چلی گئیں۔

"کب تک کھڑی رہو گی۔ ہو سکتا ہے وقت لگے، اندر آ جاؤ۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں یہیں انتظار کرتی ہوں۔" اس نے عاجزانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"پانی چاہیے؟" ذرا توقف کے بعد 'دادی' نے پوچھا۔

"نہیں۔ شکریہ۔"

"سمیرا پاؤسکر سے کیا رشتہ ہے؟"

"رشتہ۔۔۔۔ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔" رشتہ دار ہیں میری۔"

"دور کی رشتہ دار ہیں؟"

"جی۔۔۔۔۔" 'دادی' کے مزید ممکنہ سوالات کہ جواب نہیں تھے اس کے پاس۔

"پانی۔۔۔ پانی ملے گا۔"

'دادی' نے عجیب نظروں سے اسے گھورا اور مدیحہ کو پکارا۔ دو تین آوازوں کے بعد وہ اپنی

سابقہ مصروفیت کے ساتھ حاضر ہوئی۔

"جی دادی۔" دادی پوتی اس جگل بندی کی عادی لگتی تھیں۔

"انہیں پانی دو۔"

"جی دادی۔" وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی موبائل پہ سر جھکائے پلٹ گئی۔

"کہاں سے آئی ہو؟"

"ممبئی سے۔"

"اکیلی؟"

"جی۔"

"یہ ہے کاظم پاوسکر کا نیا ایڈریس۔" امی کی بروقت آمد نے اسے بچالیا۔

"آپ سب کو بے وقت پریشان کرنے کے لئے معافی چاہتی ہوں۔" شبیح نے ان کے

ہاتھ سے کاغذ لیا۔ "ایڈریس کے لئے بہت بہت شکریہ۔" وہ ان دونوں کو حیران چھوڑ کر

پلٹی اور تیزی سے چلتی ہوئی گلی پار کر گئی۔

"دادی پانی۔" تبھی مدیحہ ایک ہاتھ میں گلاس اور دوسرے میں موبائل لیے حاضر ہوئی تھی۔

گلی سے باہر نکل کر اس نے رک کر سانسیں بحال کیں جو اس قدر تیز چلنے پر پھول گئی تھیں۔

"بڑا آسان سمجھ لیا تھا میں نے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو بغور دیکھتے ہوئے سوچا۔

"بس اسٹینڈ جا کر پھر بس لینا پڑے گی۔" اس نے آٹو کی تلاش میں سڑک پر نظر دوڑائی۔ ذرا فاصلے پر سڑک کے دوسرے کنارے سیاہ زایلو کھڑی تھی۔

"ہا۔۔۔۔۔ یہ کیسے۔۔۔۔۔؟" وہ دوڑتی ہوئی گاڑی تک آئی۔ ڈرائیونگ سیٹ والے

دروازے سے ٹیک لگائے، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ جہان ہی تھا۔ آہٹ پر اس نے سر اٹھایا۔

"تم تو چلے گئے تھے؟" شبیح کو اسے دوبارہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی۔

"میرا بھی خیال تھا کہ میں چلا جاؤں گا۔" وہ مسکرا کر سیدھا ہوا۔ "کیا ہوا؟ تم اتنی جلدی واپس کیسے آگئی؟"

"وہ اب یہاں نہیں رہتیں۔ رتناگیری شفٹ ہو گی ہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ جہان کو دیا۔

"یعنی ہماری منزل ایک ہی ہے۔" ایڈریس پڑھنے کے بعد جہان نے کہا۔

"چلو۔" دروازہ کھول کر اس نے سیٹ سنبھال لی۔

"اب کیا سوچ رہی ہو؟" اسے یونہی ایستادہ دیکھ جہان نے پوچھا۔

"تم واپس کیوں آئے؟" وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔ دونوں چند ثانیے ایک

دوسرے کو تکتے رہے۔

"تمہیں یوں تنہا چھوڑ کر جانا مجھے ٹھیک نہیں لگتا اس لئے لوٹ آیا۔"

"فرض کرو وہ مجھے مل جاتیں، تب کیا کرتے؟"

"کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد چلا جاتا یا پھر تمہاری خیریت دریافت کرنے میں بھی وہاں پہنچ جاتا۔"

عین چہرے پر پڑ رہی سورج کی شعاعیں اسے مزید وہاں کھڑے رہنے سے روک رہی تھیں۔ وہ گھوم کر دوسری سمت آئی اور اندر بیٹھ گئی۔ وہ ایک ہاتھ میں فون اور دوسرے میں ایڈریس والا کاغذ پکڑے لوکیشن اور ڈائرکشن میں الجھا تھا۔

"تمہیں رتنا گری سے آگے جانا ہے۔ میری وجہ سے تمہیں بھی دیر ہوگی۔" سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے اس نے مصروف جہان کو دیکھا۔

"فنکشن رات کا ہے۔ اور تاخیر ہوئی بھی تو کیا مجھے صرف شکل دکھا کر لوٹنا ہے۔" اس نے کاغذ شہیج کو واپس دیا اور فون اسٹینڈ میں لگایا۔

"مایوس مت ہو۔ ان شاء اللہ، یہاں وہ تمہیں مل جائیں گی۔"

"سچ کہوں تو میں اس وقت بہت ریلیکس ہوں اور اس بات پر حیران بھی ہوں۔ مجھے کچھ افسوس ہونا چاہیے، ذرا سا غصہ، تھوڑا دکھ، ہلکی مایوسی اور جھنجھلاہٹ۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ ایک اجنبی کے مقابل بنا کسی فلٹر کے اپنے احساسات بیان کر رہی تھی۔

"تو کیا تم خوش ہو کہ وہ ملیں نہیں؟" گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے جہان نے پوچھا۔

"شاید۔۔۔۔ اور مجھے کسی بھی مقدار میں خوش تو ہر گز نہیں ہونا چاہیے۔" اس نے سر پیچھے ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"تمہاری سچویشن کا میں صرف اندازہ ہی لگا سکتا ہوں۔ بنا سوچے سمجھے تم گھر سے نکل پڑی تھی۔ مگر ابھی تمہیں وقت ملا ہے تو اب ہر پہلو پر اچھی طرح غور کر کے آگے بڑھو۔" وہ یونہی آنکھیں موندیں بیٹھی رہی۔

"میرے وجود اور پہچان کی بنیاد ہی جھوٹ اور فریب پر رکھی گئی۔"

"کیا جھوٹ اور فریب کی رٹ لگا رکھی ہے۔" ننہی اٹیش میں اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی۔ "ان سب کی ذمہ دار تمہیں چھوڑ کر جانے والی ہے۔ جھوٹ، فریب، دھوکا، سب کی ذمہ دار وہ ہی ہے۔ جسے نہ کبھی دیکھا، نہ کبھی ملی اس کے لیے کل تک جو تمہارا آئیڈل تھا آج وہ بس ملزم اور قصور وار رہ گیا ہے؟ تم امی کو کیسے الزام دے سکتی ہو؟ کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا ایک نام تمہاری اپنی ماں کے لئے محبت ختم کر سکتا ہے تو توف ہے تم پر۔ مجھے نہیں اندازہ تھا تم اتنی سطحی اور کم عقل ہو۔ اگر تمہارے وجود میں ابو کا حصہ نہ ہوتا تو ابھی تمہیں دھکے مار کر گھر اور زندگی سے نکال دیتی۔۔۔۔۔"

"ننہی۔۔۔۔۔" صفورا نے گرج کر اسے ٹوکا تھا مگر اس وقت کمرے موجود وہ تینوں ہی بلکل الگ الگ احساسات اور جذبات کی انتہاؤں پر تھے۔

"تم نے ثابت کر دیا اسی عورت کا خون تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ خود غرض،

بے حس، احسان فراموش او۔۔۔۔۔"

"چٹاخ۔۔۔۔۔" تھپڑ کی گونج پر سختی سے لب سیئہ بیٹھی شبیح نے سر اٹھایا تھا۔

صفورا بے بسی اور پچھتاوے کی تصویر بنی کھڑی تھیں تو سرخ گال پر ہاتھ رکھے نئی اُصدے سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ طوفان تو گزر ہی جائے گا مگر یاد رکھو اب نئی انہیں ملے گی تمہیں دوبارہ۔" نئی اکی سرد آواز نے اسکی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پھیلا دی تھی۔ وہ قہر برساتی نظر اس پر ڈال کر کمرے سے نکل گئی۔

"یا اللہ!" صفورا سر تھامے فرش پر ڈھے سی گئی تھیں۔

بند پلکوں کے پیچھے سے آنسو مچل مچل کر کنپٹیوں پر پھسل رہے تھے۔ اسے خبر ہی نہیں تھی۔ سراپا آزر دگی میں لپٹی شبیچ اسے بھی اداس کر گئی۔ وہ اس پل فراموش کر بیٹھا تھا کہ کیوں اور کس سفر پر نکلا ہے۔

پیچھے سے بس کے ہارن کی آواز پر وہ چونکی۔ بالوں میں جذب ہوتے آنسو کے نشان دوپٹے سے مٹا کر اس نے سنجیدہ سے جہان کو دیکھا اور پل بھر میں ہی جان گئی کہ اس آن اس کے بدلے مزاج کی وجہ وہ خود ہے۔

"ڈرائیونگ کے دوران لوگ عموماً میوزک ضرور سنتے ہیں۔" سبک رفتار سے پھسلتے لمحوں میں خاموشی اچانک تیسرے وجود میں ڈھلنے لگی تو اس نے تکلم کے پرندے کے پر پھڑپھڑا کر اس وجود کو زائل کیا۔ "اسٹیریو خراب ہے یا میری وجہ سے۔۔۔" اس کی بات کے درمیان ہی وہ ہلکے سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"میوزک! پہلی پہلی بار میں جب گاڑی لے کر نکلتا تھا تو ارش مجھے سواری کی دعا پڑھاتی تھی ساتھ ہی یہ وارننگ بھی کہ میں گاڑی چلاتے ہوئے ہر گز بھی میوزک نہ سنو کیونکہ وہ نہیں چاہتی خدا نخواستہ کبھی کوئی حادثہ ہو اور میری موت واقع ہو تو میں میوزک سنتے ہوئے مروں۔ اس وقت وہ بہت چھوٹی تھی۔ خیر اب تو نہ وہ دعا پڑھاتی ہے نہ وہ وارننگ دیتی ہے لیکن اس کی وہ بھیانک منظر کشی آج بھی مجھے اس کی بات ماننے پر مجبور کرتی ہے۔" اس انوکھی توجیہ پر وہ پہلے حیران ہوئی، پھر مسکرائی اور آخر میں ضبط نہ کر سکی تا بے ساختہ ہنس پڑی۔

"تمہاری بہن ہے بڑی چالاک۔" جہان نے دیکھا کچھ دیر پہلے والی آزر دگی کا سایہ اب بھی تھا مگر اس وقت وہ دل سے ہنس رہی تھی۔ یہ امتزاج اسے بڑا بھایا۔

"آگے ایک ہوٹل ہے جہاں کے پرائس بڑے فینس ہیں۔ وہاں لنچ کے لیے رکیں؟"

"اتنی جلدی۔۔۔؟" اس نے کلانی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔

"اس کے بعد دوسرا چھا ہوٹل کافی دور ہے۔"

"مجھے تو بھوک بھی نہیں ہے، اگر تمہیں لگی ہے تو رک جاتے ہیں۔"

"کچھ خاص نہیں۔" اسے اچانک یاد آیا۔ "پیچھے دیکھو کیری بیگ ہوگا۔ ممدایا تھا۔"

شبیخ نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ تھیلی اسے نظر تو آرہی تھی مگر دور تھی۔ سیٹ بیلٹ

نکال کر وہ پوری پیچھے گھوم گی۔ جوٹ کی تھیلی اٹھا کر زپ کھول کر اندر جھانکا، اس میں

جوس کے ٹیڑا پیکیٹس، چپس کے پیکیٹس، انرجی بارز، بسکٹس اور تھر مو اسٹیل کی پانی کی

بوتل تھی۔

"تمہیں کچھ چاہئے؟"

"پانی ہو تو دے دو۔" شبیخ نے ڈھکن ہٹا کر بوتل اسے تھما دی۔ جہان نے آدھی سے زیادہ

بوتل خالی کر کے اسے واپس کی۔

"اتنی پیاس لگی تھی تو پہلے کیوں نہیں مانگا پانی۔" اس نے پہلے صرف سوچا پھر بول بھی دیا۔ اس کے ناراض اور شاکی لہجے پر جہان نے اسے دیکھا۔ ہواؤں کا اثر تھا کہ بال بکھر سے گئے تھے جو اب مچل مچل کر اسکے گالوں کو چوم رہے تھے۔ گاہے بہ گاہے رونے کا اثر تھا کہ سیاہ گہری آنکھیں متورم تھیں۔ سانولی شفاف رنگت پر اس کی ناک پر براجمان تل اس کے چہرے پر سب سے نمایاں تھا۔

"سوری!" نظریں دوبارہ سڑک پر مرکوز کرنے کے لئے اسے کڑی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔

شبیخ نے انرجی بارکار پیر آدھا اتار کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے شکر یہ کے ساتھ تھام لیا۔

اس نے بھی شغل کے لئے چپس کا پیکٹ باہر نکالا۔

"پارلے جی نہیں ہو گا اس میں۔" جہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ ہنس دی۔ وہ اس کی عادی تھی۔ وہ پارلے جی کی شوقین تھی اور ہر جاننے والا اسے اس تعلق سے چھیڑتا

بھی تھا اور مذاق بھی ضرور ہی اڑاتا تھا۔ اس نے تھیلی کی زپ بند کر کے واپس پیچھے رکھی اور سیٹ پر پہلے والی حالت میں بیٹھ گئی۔ جہان نے اشارہ کر کے اسے سیٹ بیلٹ لگانے کہا جس پر اس نے فوراً عمل کیا۔

"تم کیا اس طرف اکثر آتے ہو؟ کہاں کیا اچھا اور مشہور ہے، تمہیں سب معلوم ہے۔" اس نے چپس کھاتے ہوئے پوچھا۔

"ابو نے یہاں آم کے باغات لے رکھے ہیں۔ سیزن میں تو ہم سبھی یہاں آتے ہیں۔"

"واؤ! آم کے باغ۔۔۔" اس کے منہ میں پانی آ گیا۔

"باغات کے ساتھ ہی فارم ہاؤس بھی ہے اس لئے کبھی فیملی تو کبھی دوستوں کے ساتھ آنا جانا لگا رہتا ہے۔"

"ویسے ہے بڑا خوبصورت علاقہ"

"ہم۔۔۔ تم نے یہاں کے بیچس نہیں دیکھے۔ کبھی فرصت میں آؤ اور موقع ملے تو

ضرور وزٹ کرنا

"کاش یہ پہلا موقعہ ہی نہ آیا ہوتا۔" اس نے آزر دگی سے سوچا۔

پھر اس کے گرد ہالہ بناتی اداسی محسوس کر کے وہ اپنی بات پر پچھتا یا۔ اس نے گلا کھنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"صاحبہ کی شادی میں جانے کی اصل وجہ کچھ اور ہے۔" شبیح نے اپنی سوالیہ آنکھیں اس پر مرکوز کیں۔

"وہ جب بڑے تیقن سے سنا رہی تھی کہ میں اب تک اس کے فراق میں تنہا ہوں اور اس کی ذمہ دار ماما ہے۔ تب میں نے اسے غلط ثابت کرنے کے لیے کہہ دیا کہ میری انگیجمنٹ میری پسند اور ماما کی مرضی سے ہو گی ہے۔ اور اس نے کہا کہ ایسا ہے تو میں اس لڑکی کے ساتھ اس کی شادی میں شریک ہو کر ثابت کروں۔"

www.novelsclubb.com

"اوہو۔۔۔۔۔"

اس کی سماعتوں میں اب بھی اس کی وہ استہزائیہ ہنسی گونج رہی تھی جس نے اسے طیش میں آکر یہاں کے لیے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسے صاحبہ کے روبرو کچھ بھی ثابت کرنے کی

ضرورت نہیں تھی۔ اسے جو سمجھنا تھا وہ سمجھتی رہتی۔ لیکن وہ ان سب میں ماما کو گھسیٹ لائی تھی اور وہ ہر گز بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ صاحبہ اپنے تخلیق کردہ تصوراتی ناکام عاشق کے لیے بھی اس کی ماما کو دوش دے۔

"اور اب۔۔۔۔؟" شبیح نے وہی سوال کیا جو وہ خود سے ہزار بار پوچھ چکا تھا۔

"اور اب۔۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔۔ وہاں جا کر کوئی بہانہ بناؤں یا یہیں سے لوٹ جاؤں۔۔۔۔ اسے سچ کہہ کر ایک بار پھر یقین دلانے کی کوشش کروں کہ وہ وہم میں مبتلا ہے۔ یا اسے اس وہم کے ساتھ یوں ہی رہنے دوں۔۔۔۔ تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"تم کیوں ابھی تک تنہا ہو؟" اس کا سوال نظر انداز کر کے اس نے اپنا سوال پیش کیا۔

"تم صاحبہ کو صحیح سمجھ رہی ہو؟" وہ حیران ہوا۔

"نہیں۔۔۔۔۔ لیکن بتاؤ نا، تم نے اب تک شادی یا انگیجمنٹ کیوں نہیں کی؟"

"ابھی اٹھائیس سال بھی مکمل نہیں ہوئے ہیں میرے۔ ماما کی تلاش جاری ہے۔ جس دن انہیں کوئی پسند آگئی فوراً ہی شادی ہو جائے گی۔"

"اور اس سے پہلے اگر تمہیں کوئی پسند آگئی تو؟"

"ماما تو کب سے اسی انتظار میں ہیں کہ میں کسی کا نام لوں۔"

"مطلب یہ کہ تم چاہتے ہو تمہاری ممالٹکی کا انتخاب کریں اور وہ چاہتی ہیں کہ تم خود کسی کو پسند کر لو۔"

"ایسا ہی کچھ۔"

"اللہ کرے تم دونوں کی نظر انتخاب ایک ہی لڑکی پر جاٹھہریں۔" اپنی بات کا مزہ لیکر وہ ہنسنے لگی۔ جہان نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"یہاں سے اندر کی طرف ایک بیچ ہے۔" جہان نے آگے سڑک پر نظر آ رہے بائیں موڑ کی طرف اشارہ کیا۔ "وہاں ایک پرانی عمارت بھی ہے۔" شبیح کو اس کی اور ارش کی گفتگو یاد آگئی۔

"اگر تم کہو تو کچھ دیر وہاں۔۔۔۔"

"ہاں چلو۔" وہ مسکرا دیا۔ اسے شبہ تو تھا کہ وہ ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اب تصدیق ہو گئی تھی۔

بائیں جانب مڑتے ہی وہ ساحل سمندر سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ ہوائیں زمستانی ہو گئی تھیں اور مناظر بڑے فرحت بخش تھے۔ سامنے دور تک پھیلا آسمانی عرش، نیچے ارض پہ بکھرا سبزہ اور دونوں کے درمیان سورج کی نارنجی شعائیں۔ چرند، پرند اور بشر سب اس حسین منظر اور خوبصورت ماحول کا حصہ بنے اس کے مزے لوٹ رہے تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک تنگ اور ٹوٹی پھوٹی سڑک آگئے۔

"کیا یہ ٹورسٹ اسپاٹ ہے؟" ان سے آگے چلتی بائیک کو دیکھ کر اس نے پوچھا۔

www.novelsclubb.com

"کوئی بہت مشہور جگہ نہیں ہے۔ جنہیں علم ہیں وہی لوگ آتے ہیں۔ یہ سڑک دراصل ایک دیہات کی طرف جاتی ہے۔ اس دیہات کا ایک مزدور فارم ہاوس پر کام کرتا ہے، اسی نے یہ جگہ بتائی تھی۔"

سامنے سمندر نظر آرہا تھا۔ جہان نے گاڑی سڑک سے اتاری اور تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد روک دی۔

"یہاں سے پیدل چلتے ہیں۔"

وہ اپنا بیگ لے کر اتر گئی۔ پانیوں کے قریب ہوا میں نمی اور ٹھنڈک بڑھ گئی تھی۔ اسے ساحل سمندر پر کبھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ممبئی کی دیگر جگہوں کی طرح یہاں بھی جم عفر موجودہ ہوتا تھا۔ ایسی بھیڑ اور گہما گہمی میں اسے ساحل، سمندر، ڈوبتا سورج، کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ ایسے موقعوں پر نئی اکثر جل کر کہا کرتی تھی، 'تم نااقصیٰ بیچ جایا کرو وہاں صرف خودکشی کرنے اور ڈوبنے والے ہی ہوتے ہیں۔'

وہ چند قدم چلتی ہوئی آگے آئی اور سامنے کا منظر دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔ اسے لگا وہ ٹی وی اسکرین کا کوئی منظر ہے یا کسی میگزین کی تصویر! اس منظر کی سب سے بڑی خوبصورتی صاف ستھرے اور لوگوں سے خالی ساحل تھا۔

گاڑی لاک کرنے کے بعد وہ دوڑ کر اس کے ساتھ ہوا۔

"ارِش اور شبان نے یہاں اپنے نام لکھے تھے۔" جہاں نے بائیں طرف ایک ٹوٹے پھوٹے ڈھانچے کی سمت اشارہ کیا۔ وہ کبھی شاندار عمارت رہی ہوگی اب اس کے صرف آثار باقی تھے۔ پتھروں والی ٹوٹی دیواریں جن پر چھت نہیں تھی، کچھ دروازوں کی چوکھٹیں اور چند سیڑھیاں۔ جہاں اس کھنڈر کی طرف مڑا تو وہ رک گئی۔

"میں وہاں جاؤں؟" جہاں نے پلٹ کر دیکھا، وہ سمندر کی سمت اشارہ کر رہی تھی۔ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ 'وہاں چلیں۔' یا 'پہلے وہاں چلتے ہیں۔' جہاں نے سر ہلا کر اسے اجازت دی۔ وہ آگے بڑھ گئی۔ جہاں آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھنڈر تک آیا اور ارِش کی بتائی دیوار تک جانے کی بجائے منڈھیر نما ٹوٹی دیوار پر بیٹھ گیا۔ جہاں سے سمندر اور سمندر کی اور جاتی شہیج، دونوں نگاہوں کی زد میں تھے۔

www.novelsclubb.com
لو فرزا اور بیگ ریت پر چھوڑ کر وہ برہنہ پا چلتی پانی تک آئی۔

"اگر ابھی یہاں نہی، صفی اور امی ہوتے تو کتنا ادھم مچاتے سب!" "ماحول کا اثر تھا کہ وہ فلحال بڑی دل گزار تھی۔"

"اتنی خوبصورت جگہ اور اتنے بدترین حالات میں میں یہاں تنہا ہوں۔" اس نے اڑتے دوپٹے کو سنبھالنا۔

"کس نے کہا تھا تمہیں تنہا گھر سے نکلنے؟" صفورا کی شہسوہ بیدار ہوئی۔ "امی نے کہا تو تھا وہ خود تمہیں لے چلیں گی۔"

"میں غصے میں تھی۔"

"اب اتر گیا نا غصہ، لوٹ جاؤ۔"

"یہاں تک آکر کیسے پلٹ جاؤ۔"

"امی کو کتنا دکھ پہنچایا ہے تم نے کچھ اندازہ ہے؟"

"میں بھی کم تکلیف میں نہیں ہوں۔"

"آدھی رات کو گھر سے نکل کر تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"میرے پوچھنے پر بہانہ کرنے کی بجائے مجھے سچائی بتادی گئی ہوتی تو آج یہ دن نہ آتا۔"

"اس وقت تم جس درد سے گزر رہی ہو وہ تم اس سے محفوظ رکھنا چاہتی تھیں۔"

"یہ تو اسی دن سے میرا مقدر ٹھہرہ تھا جس دن وہ مجھے چھوڑ کر گئی تھیں۔"

"تم سمیرا کا خون ہو اور صفورا تمہاری ماں ہے، کیا تم سے انکار کر سکتی ہو؟"

"کبھی نہیں۔" اس نے اڑتے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے کیا۔

خیالات کے اس تباد لے میں صفورا کی شبیغ اس میں مدغم ہو گئی تھی۔

دیوار پر باہر کی جانب پیر لٹکائے بیٹھا جہان اپنے موبائل کیمرے میں سامنے پھیلے دلکش

مناظر قید کر رہا تھا۔ خود سے الجھتی، لہروں کے ساتھ چلتی، کبھی بال سمیٹتی تو کبھی دوپٹہ

سنجھالتی شبیغ ہر تصویر کا حصہ تھی۔

"سب کچھ واقعی اتنا دلکش اور خوبصورت ہے جتنا مجھے محسوس ہو رہا تھا یا ساری دلکشی اور

خوبصورتی کسی کی موجودگی کے باعث ہے؟"

شبیغ نے پلٹ کر دیکھا، وہ بہت دور نکل آئی تھی۔ دور سے جہان ہاتھ لہرا کر اسے اشارہ کر

رہا تھا۔ اس نے بھی ہاتھ اٹھا کر جواب دیا اور واپسی کے لیے پلٹ گئی۔ اس کی جیکینگ اور

کرتے کا نچلا حصہ بھیگ چکا تھا۔ اس نے پیروں پر ہتھیلیاں دبا دبا کر پانی نکالا، کرتے کا دامن نچوڑ کر جھٹکا اور لوفرز اور بیگ اٹھا کر کھنڈر نما عمارت کی طرف چل پڑی۔ جہان بھی دیوار سے غائب ہو گیا تھا۔

وہ ٹوٹے پھوٹے پتھروں پر سنبھل سنبھل کے پیر رکھتی اوپر آئی جو کبھی زینے کے طور پر استعمال ہوتے ہوں گے۔ اندر بھی جنگلی پودے اور پھول ہر سوتھے۔ جہان نسبتاً اونچی اور بڑی دیوار کے آگے کھڑا تھا، جو کبھی کسی کمرے کی تشکیل کرتی ہوگی مگر اس وقت تنہا ایستادہ تھی۔ جس کے سر پر نہ چھت تھی نہ دائیں بائیں سہارا دیتی دیواریں۔

"تمہیں دکھائی دے رہے ہیں یہاں نام؟" دیوار سے پرے ہٹ کر اس نے شبیح سے پوچھا۔

شبیح نے ان سیاہ پتھروں کا تفصیلی جائزہ لے کر نفی میں سر ہلایا۔

"وہ دونوں یقین نہیں کریں گے۔" اس نے موبائل میں دیوار کی تصویر لیتے ہوئے کہا۔

"ویڈیو کال کر لو۔" اس نے بیگ اور لوفرز دیوار پر رکھے اور دیوار پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

"نیٹ ورک کہاں ہے یہاں۔" وہ مختلف زاویوں سے تصویریں لے رہا تھا۔ اس کے پیروں پر ریت چپک گئی تھی۔ اس نے دونوں پنچے ایک دوسرے سے ٹکرا کر ریت جھاڑی۔ تصویروں سے فارغ ہو کر جہان نے فون جیب میں ڈالا اور نیچے جھک کر تھوڑی تلاش کے بعد ایک نوکدار سلیٹی پتھر اٹھایا۔ سیاہ پتھروں والی دیوار پر اس نوکدار پتھر سے ایک لکیر کھینچی پھر اسے ہاتھ سے مٹانے کی کوشش کی لیکن وہ سلیٹی لکیر ہنوز موجود تھی۔ شبیج خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جہان نے دیوار پر تصویر بنانی شروع کی۔ پہلی تصویر جیب کی تھی۔ جہان کی پشت کی وجہ سے دوسری تصویر وہ کیا بنا رہا تھا اسے نظر نہیں آرہی تھی۔ تصویر مکمل کر کے، پتھر پھینک کر وہ دیوار سے دور ہوا تو شبیج نے دیکھا سیدھی لکیروں کی مدد سے اس نے بیگ پیک بنایا تھا۔

"ارش اور شبان نے چاک سے اپنی نام لکھیں تھے اس لئے وہ مٹ گئے۔" وہ دیوار پر اس سے ذرا فاصلے پر آ کر بیٹھ گیا۔

"مستقبل میں کبھی اس طرف آؤ تو یہاں آ کر یہ ضرور چیک کرنا۔ یہ شاید نہ مٹے۔"

"اگر کبھی آئی تو ضرور۔"

"تم جاننے اور آج مل لینے کے بعد کیا یہ سلسلہ جاری نہیں رکھوں گی؟"

"پتہ نہیں۔۔۔۔ اتنا آگے کامیں نے سوچا نہیں۔"

"ابھی وقت ہے تمہارے پاس، سوچ لو۔" وہ کچھ ٹھان کر اس کی طرف گھوم گیا۔

"اب سے کچھ ہی دیر بعد تم ان سے ملو گی۔۔۔ کیا کہو گی ان سے؟"

"کیا کہوں گی؟۔۔۔ اپنا تعارف کراؤنگی۔ شاید وہ خود ہی مجھے پہچان لیں۔ میں بالکل ابو

کی کاپی ہوں۔ اور یہ۔۔۔۔ اس نے اپنی ناک کے تل پر انگلی رکھی۔ "ٹریڈ مارک ہے۔"

"اوکے۔۔۔۔ تم نے تعارف کرایا یا وہ تمہیں پہچان گئیں، اس کے بعد۔۔۔؟"

"پوچھوں گی ان سے، کیوں مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں؟ کیوں رابطہ نہیں رکھا؟ کبھی ملنے

نہیں آئیں؟ فون تک نہیں کیا کبھی۔"

"مان لو ان کے پاس تمہاری ہر بات کا ریز نیبل جواب موجود ہوا پھر۔۔۔۔؟"

"پھر۔۔۔۔؟" وہ کنفیوز سی اسی سے سوال کر بیٹھی۔

"وہ تمہیں گلے لگائیں گی، تم انہیں معاف کر دو گی، تم اپنے گھر لوٹ جاؤ گی، تمہارا ان سے رابطہ رہے گا، باتیں ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔۔۔۔۔ یا پھر۔۔۔" وہ لفظ بھر رکا۔ "ہو سکتا ہے وہ تمہیں اپنے ساتھ رہنے کا آفر دیں۔ ویسے بھی تمہاری پڑھائی پوری ہو چکی ہے اور بقوال تمہارے، ابو کے بعد تمہارا وہاں کچھ نہیں ہے۔ وہاں سوتیلے بہن بھائی اور سوتیلی ماں ہے اور یہاں بھی سوتیلے بہن بھائی اور سوتیلا باپ ہو گا۔" وہ بڑی بے رحمی اور سفاکی سے آنے والے وقت کی منظر کشی کر رہا تھا۔ وہ بے قراری سے کھڑی ہو گئی۔ "تو تمہیں یہاں ان کے ساتھ رہنے میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے۔"

اسکی اس برہنہ حق گوئی سے بچنے کی خاطر وہ اس سے دور جانے کے لئے آگے بڑھی۔ دو چار قدم ہی اٹھائے تھے کہ ناہموار زمین پر پڑا دھاردار پتھر اس کے پیر میں گھس گیا۔

"آہ۔۔۔۔۔" اس نے بے اختیار پیر اٹھا کر تلوادیکھا۔ ننھا سا سرخ گڑھا بن گیا تھا۔ جہان نے دیوار پر رکھے اس کے لوفرز اٹھا کر اس کے قدموں میں رکھے۔

"دوسرا مکان یہ ہے کہ۔۔۔۔۔" لوفرز میں پیر ڈالتے ہوئے شبیخ نے سراٹھایا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ "تمہیں تمہارے کسی سوال کا

جواب نہ ملے یا اگر ملے بھی تو وہ تمہیں تمہارے اس قدم پر شرمندہ کرنے والا ہو اور

تمہاری امی کو صحیح ثابت کرتا ہو۔۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔ پھر کیا کرو گی تم؟"

شبلیج کو اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔ وہ پلٹ کر دیوار پر بیٹھ گئی۔ جہان کو اس پر

رحم آگیا۔

"اس در تک پہنچنے سے پہلے یہ طے کر لو کہ تم خود کیا چاہتی ہو۔" اب کے اس کی آواز میں

نرمی اور اپنائیت تھی۔ "ایسی غیر متوقع حقیقت جاننے کے بعد کیسا بھی شدید رد عمل

فطری ہے۔ مگر اب وقت ہے کہ تم پر سکون ہو کر، ٹھنڈے دل و دماغ سے اپنے جذبات

سورٹ آؤٹ کر کے اپنی ترجیحات طے کرو۔" وہ چلتے ہوئے دیوار تک آیا اور اپنی سابقہ

جگہ پر بیٹھ گیا۔

www.novelsclubb.com
کتنی ہی دیر گزر گئی۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتی اور پونچھتی رہی۔ جہان بھی لب سیسے اسے

دیکھتا رہا۔ بہت دیر بعد وہ شروع ہوئی۔

"میں، امی، ننھی اور صفی ہم سب ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے بنا نہیں رہ سکتے۔" وہ سر جھکائے، جہان کو دیکھے بغیر رہی بول رہی تھی۔

اپنی فیملی چھوڑنے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ لیکن جس نے مجھے چھوڑ دیا تھا اس سے 'کیوں' پوچھنے کا مجھے پورا حق ہے۔ یہاں تک آنے کے بعد اب میں ان سے اتنے سالوں کا پورا حساب لے کر ہی جاؤں گی۔"

"گڈ! لیکن کیا تمہیں نہیں لگتا ہے کہ اس طرح گھر میں بتائے بنا تمہیں نہیں نکلنا چاہیے تھا۔"

"صرف بنا بتائے گھر سے نکلنے کیلئے ہی نہیں اور بھی بہت ساری بد تمیزیوں کے لئے مجھے امی اور ننھی سے معافی مانگنی ہے۔"

"پہلے فون کر کے اپنی خیریت کی اطلاع تو دے دو۔"

"نہیں۔۔۔۔۔ فون پہ نہیں، اب گھر جا کر ہی بات کروں گی۔ ویسے میں نے اپنی

خیریت کا ٹیکسٹ کر دیا تھا۔"

"چلیں پھر۔" وہ کھڑا ہو گیا تو وہ بھی اٹھ گئی۔ اس نے بیگ سے پانی کی بوتل نکالی، پانی پیا، چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور بوتل جہان کی طرف بڑھائی۔ اس نے بھی ہاتھ دھو کر پانی پیا اور بوتل واپس کر دی۔ وہ دیوار پر پیر رکھ کر جوتے کے تسمے کھول کر دوبارہ مضبوطی سے باندھ رہا تھا۔ شبیح نے فون نکالا اور پاور آن کر کے دیوار کی تصویر لینے لگی۔

"دوبارہ آنے کا چانس تو نہیں ہے پھر بھی۔۔۔۔" وہ پلٹا تو شبیح فون بند کر رہی تھی۔ جہان کے اندر بہت سارے 'چانسز' ابھرے مگر وہ سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر نیچے اتر گیا۔ شبیح نے بھی اس کی تقلید کی۔

"ہم پہلے لنچ کے لیے رکتے ہیں۔" جہان نے زایلوسٹرک پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ٹھنڈی ہواؤں کا اثر تھا یا اتنا رونے اور سوچنے کی تھکان، اسے نیند آنے لگی تھی۔ جلد ہی وہ سر پیچھے ٹکا کر سو گئی تھی۔ ڈرائیونگ کرتا جہان سامنے سٹرک اور بازو میں سوئی شبیح کو دیکھتے ہوئے ہوٹل پر پہنچ کر روکا تھا۔ گاڑی رکتے ہی شبیح بھی جاگ گئی۔ ایسے بے خبر سونے پر وہ شرمندہ سی باہر نکلی۔ واش روم کے آئینے میں شکل دیکھ کر ایسا لگ

رہا تھا کہ وہ سالوں سے سفر پر نکلی ہے۔ اچھی طرح ہاتھ دھونے کے بعد اس نے بیگ سے کنگھا نکالا اور بال کھولنے لگی۔ اپنی انفرادیت کی وجہ بھی اب سمجھ آرہی تھی۔ ایک تو اس کی رنگت نہی اور صفی کے مقابلے میں سانولی تھی، دوسرے پیٹھ کی لمبائی تک پھیلے اس کے بال امی اور نہی کی بہ نسبت سیاہ اور گھنے تھے۔

وہ ٹیبل پر واپس آئی تو جہان فون پر مصروف تھا۔ اسے سمجھنے میں ذرا وقت نہیں لگا کہ دوسری طرف اسکی ماما ہیں۔

"کہہ تو رہا ہوں کہ وہ دوسرے گروپ کے ساتھ نکلے ہیں۔"

"تیرے گروپ سے کب نکل گئے وہ دونوں؟"

"ماما! کالج کے اور بھی کئی دوست آرہے ہیں۔ میں ہی سب سے آخر میں نکلا ہوں۔ وہ

لوگ پہنچ بھی گئے ہوں گے۔"

"کتنی بار کہوں، مجھے یقین ہے ظفر اور نوید یہیں ہیں۔ صاف صاف بتاتا کیوں نہیں معاملہ

کیا ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ آکر بتانا ہوں۔ خوش۔"

"بیٹا، پہلے ہی کہہ دیتا۔ اتنے بہانوں کی کیا ضرورت تھی۔"

"ٹرائی کر رہا تھا کہ آپ سے کچھ چھپایا جا سکتا ہے کیا۔"

"سبق لے، اور آئندہ کے لئے ایسی کوششوں سے توبہ کر۔"

"سو بار توبہ ماما۔"

"اچھا وہ لڑکی۔۔۔۔ کیا نام تھا بھول گئی۔۔۔۔"

"شبیچ۔"

"ہاں۔۔۔۔ اسے ڈراپ کرنے کے بعد مجھے میسج کر دینا۔"

"جی ماما۔"

"چل رکھتی ہوں۔"

"اللہ حافظ۔"

فون بند کر کے ٹیبل پر رکھ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس بار اس نے انجان بننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تمہارا پورا نام کیا ہے؟ شبینہ، شبانہ، شبستاں۔۔۔۔۔" اسے جتنے نام سوچھے، اس نے گنوا دیے۔

"میرا پورا نام شبیع ہی ہے۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو نک نیم لگتا ہے۔"

"تمہیں اردو تو آتی ہے نا؟" اس نے سامنے سے ٹشو پیپر اٹھایا اور بیگ سے پین نکالی۔

"بالکل آتی ہے۔"

"میرا نام شبیع ہے، شبی نہیں۔" اس نے پین سے ٹشو پیپر پر لکھ کر بتایا۔

"اور۔۔۔۔۔ کے۔۔۔۔۔" جہان نے ٹشو پیپر ہاتھ میں لے کر بغور دیکھا۔

"ابو کا پورا نام افتخار احمد اور دادا کا نام بشارت علی تھا۔ اور ہمارے یہاں ہر فارم اور دستاویز پر

نیم، مڈل نیم، سر نیم، فادرس نیم جیسے کالمز نے ابو کے لئے بڑی پریشانیاں کھڑی کی

تھیں۔ کل چار، پانچ نام لکھنے کے بعد ابو کا پورا نام بنتا تھا۔ دوسرے اسپیلنگ کی وجہ سے کوئی بھی صحیح تلفظ سے ابو کا نام نہیں لیتا تھا۔ کبھی افتکار تو کبھی افتکھار! اس لئے ابونے بڑے سوچ سمجھ کر ہمارے مختصر اور صحیح تلفظ والی اسپیلنگ کے نام چن کر رکھے تھے۔ نہی، صفی اور شبیح۔"

"وائس مین۔" اس کی ستائش پر وہ بھی فخر سے مسکرائی تھی۔ تبھی ان کا کھانا آ گیا۔

"تمہیں سی فوڈ بہت پسند ہے شاید۔" اس نے ٹیبل پر پھیلے پکوان دیکھ کر کہا۔

"اس علاقے میں آکر سی فوڈ نہ کھانا سراسر بیوقوفی ہے۔ ویسے مجھے سی فوڈ پسند بھی ہے۔ کیا تمہیں نہیں پسند؟"

"کھانے کے معاملے میں میرے نخرے نہیں ہیں۔" اسے اپنی یہ عادت بڑی اچھی لگتی تھی۔

"گڈ"

کھانے کے بعد دونوں نے کافی پی۔ ظہر کا وقت تھا اور اس سے نماز پڑھنی تھی۔

"یہاں کسی گوشے میں نماز پڑھ سکتی ہوں۔" اس نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے جہان سے پوچھا۔

"یہاں مرد و خواتین کے لئے نماز کا الگ انتظام ہے۔ اسی لئے ہم لوگ ہر بار اسی جگہ پر رکتے ہیں۔" ایک ہی علاقے میں بکثرت سفر کرنے کے فائدے بھی کئی تھے۔

وہ دو رکعت قصر پڑھ کر باہر آئی تو جہان بھی نماز سے فارغ ہو گیا تھا۔

"فائنلی اب تمہاری منزل پر کے گئے۔" دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے جہان نے کہا۔

وہ بیگ میں سرگھسائے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

"ایڈریس والی پرچی نہیں مل رہی۔" اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر بیگ نشست پر الٹ دیا۔ بقول نہیں وہ عمر و عیار کی زنبیل تھا۔ مڑے مڑے کاغذات، ٹشو پیپرز، فیس وائپس، پین، پیپر اسپرے، فون، چارجر، چابیاں، چھوٹی سی ڈائری۔ اس کی ایمر جنسی کٹ

کا پاؤچ کھل گیا تھا اور اس میں موجود لپ بام، لوشنز، کاجل، لائٹنر، نیل کٹر سب نشست پر پڑے تھے۔

"پھر گم ہو گئی مجھ سے!" ساری چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد اس نے مایوسی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ اس میں ہے ایڈریس۔" فون اسٹینڈ پر لگاتے ہوئے جہان نے اسے تسلی دی۔

"اس پرچی کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اس پران کے شوہر کا نام لکھا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا۔" وہ سارا سامان واپس بیگ میں ٹھونستے ہوئے بولی۔

"کاظم پاوسکر!" شبیح نے ہاتھ روک کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں نے بھی وہ پرچی پڑھی تھی۔" جہان نے اسکی حیرت کے جواب میں صفائی پیش کی۔

اس نے اپنی جگہ بیٹھ کر دروازہ بند کیا تو جہان گاڑی آگے بڑھائی۔ اس نے فون بیگ میں

نہیں ڈالا تھا۔ پاور آن کیا تو نہی کے ساتھ امی کا بھی میسج تھا۔

"سنجھل کر اور دھیان سے بیٹا۔ واپس کب آؤگی؟ میسج کر کے اپنی خبر دیتی رہو۔ چیزوں کا اور اپنا خیال رکھوں۔"

وہ تیزی سے ٹائپ کرنے لگی۔

"میں ٹھیک ہوں امی۔ صبح تک ان شاء اللہ گھر آ جاؤں گی۔"

صفورا کو میسج بھیجنے کے بعد اس نے نہی کا میسج دیکھا۔ وہاں صرف ایمو چیز تھیں۔ سلگتے طیش اور غصے کو ظاہر کرتی، لعنت بھیجتی، ہر ایمو جی موجود تھی۔

"صبر! آرہی ہوں۔۔۔۔۔" اس نے ٹائپ کیا۔ فون بند کر کے اس نے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ دن ڈھلنے کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

"دادی ابو کے لئے کو کن کیسے پہنچ گئی تھیں؟" اس نے سوچا۔ اس کا سارا دھیال اور ننیبال ممبئی میں ہی تھا۔

"تم واپس کیسے جاؤگی؟" جہان نے کھڑکی سے باہر نظاروں میں گم اسے دیکھا۔

"ممبئی کے لئے رتنا گرمی سے رات میں بسیں ہو گئی، اسی سے نکل جاؤں گی۔"

وہ پہلے ہی اس کے ساتھ واپسی کی پیشکش ٹھکرا چکی تھی اور اب یہ پلان۔ وہ چپ ہو گیا۔
موبائل اسکرین پر بلوائن بتدریج گھٹی جا رہی تھی۔ جو بے آرامی اور بے قراری صبح اُدھر
تھی وہ اس وقت اُدھر منتقل ہو گئی تھی۔ وجہ بہر حال دونوں طرف بالکل مختلف تھی۔
وہ شہر کی حدود میں داخل ہو کر بالا آخر مطلوبہ مقام پر پہنچ گئے تھے۔ یہ شہر کا متمول علاقہ
تھا۔ ایک قطار میں شاندار بنگلے بنے تھے۔

"تو کیا ابو اور مجھے چھوڑنے کی وجہ دولت تھی۔" اس نے سوچا۔

جہان نے زایلوسٹرک کے کنارے روک دی تھی۔

"میں ویٹ کرتا ہوں۔" شبیح نے اسے باز رکھنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ نفی میں سر

ہلاتے ہوئے بولا۔ "تم یہاں سے نیٹ جاؤ تو تمہیں بس میں بٹھا کر ممبئی روانہ کرنا میرا

اخلاقی فرض ہے اور یہ ماما کا حکم بھی ہے۔" آخر میں وہ مسکرایا۔ کچھ دیر پہلے والی خود

اعتمادی کے باوجود وہ اب نروس تھی۔

"بنگلہ نمبر ٹینتھ بی ہے۔" اس نے فون نکال کر شبیح کے آگے کیا۔ اس نے دیکھ کر سر ہلایا اور بیگ لے کر باہر نکل آئی۔ جہان بھی باہر نکل کر اس کے قریب آیا۔ اس نے سامنے قطار میں ایستادہ عالیشان بنگلوں کو دیکھا، ایک گہری سانس لے کر خود کو تیار کیا اور آگے بڑھی۔

"شبیح۔۔۔۔" ابھی وہ سڑک کے وسط میں ہی تھی کہ عقب سے جہان نے پکارا۔ وہ پلٹی۔

"ریلیکس۔ جو بھی ہوگا بہتر ہوگا۔" اس نے مسکرا کر اسے حوصلہ تھمایا۔ اس نے بھی مضطرب مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا اور سڑک پار کر گئی۔

سامنے بنگلے کی باہری دیوار پر لگی نیم پلیٹ پر 'ففتھ / بی' لکھا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ چلتے ہوئے اگلے بنگلے تک آئی۔ وہ اسکسٹھ / اے تھا۔ اس نے اپنی رفتار بڑھائی۔ تیز تیز اٹھتے قدموں کے ساتھ جیسے یادداشت کے اسٹیج سے بھی آہستہ آہستہ پردہ اٹھنے لگا تھا۔ سب سے پہلی اور پرانی یاد جو اس اسٹیج پر ابھری، وہ گلابی فراک میں تالیاں بجاتی ننھی سی شبیح کی تھی۔ جسے گود میں اٹھا کر صفورا نے چٹاچٹ بوسے لے ڈالے تھے۔ اب وہ صبح

صادق کے ملگجے اجالے میں کچن میں کھڑی، جمائیاں لیتے ہوئے اس کا فرمائشی ٹفن تیار کر رہی تھیں۔ پھر وہ روتی گاتی نہی کو گود میں اٹھائے، شبیج کا ہاتھ تھامے اسے اسکول بس میں چڑھا رہی تھیں۔ اگلے منظر میں وہ رات کے دو بجے اس کا اسکول پر وجیکٹ مکمل کر رہی تھیں۔ اپنی انیورسری پر ابو کو کیک کھلانے کے بعد وہ شبیج کے منہ میں کیک ڈال رہی تھیں۔ وہ ہر جگہ اس کے ساتھ تھیں۔ اسکول میں، کالج میں، گھر میں، گھر کے باہر، سب جگہ۔ کبھی پھٹکارتیں، تو کبھی گلے لگاتیں، کبھی آنسو پونچھتیں، تو کبھی پچکارتیں۔ ابو کے بعد ان تینوں کو لپٹا کر روتی ہوئیں۔ گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہوئیں۔ ان تینوں کو سامنے بیٹھا کر کوچنگ کلاس کا پلان سناتی ہوئیں۔ اس کی زندگی کا گزرا کوئی بھی لمحہ ان سے خالی نہیں تھا۔ وہ اسی آغوش کی گرمی سے واقف تھی جو اسے صرف دیرٹھ ماہ کے لیے میسر نہیں ہوئی تھی۔ کیا اس ڈیرٹھ ماہ کے لئے وہ ذمہ دار تھیں؟ نہیں۔۔۔۔۔ کیا اسے کسی اور آغوش کی طلب تھی؟ نہیں۔۔۔۔۔ کوئی محرومی، کوئی حسرت تھی؟ نہیں۔۔۔۔۔ کوئی کمی تھی؟ صرف ابو کی۔ کیا کوئی جگہ، کوئی خانہ، خالی تھا جسے صرف سمیرا ہی پر کر سکتی تھیں؟ نہیں۔۔۔۔۔ کہیں کوئی جگہ نہیں تھی۔ ہر رشتہ اپنے مقام پر تھا۔ ہر محبت اپنے معیار

پر تھی۔ پھر کیوں۔۔۔۔۔ کس لئے۔۔۔۔۔؟ اس نے سینے پر ہاتھ مار کر اٹکتی سانسیں بحال کرنی چاہی۔ وہ ٹینتھ ابی کے سامنے کھڑی تھی۔

"اس دروازے کے اس پار ایسا کیا ہے جو فی الوقت میرے پاس نہیں ہے؟ چند دنوں کا تعلق یا چوبیس سالوں کی رفاقت۔۔۔۔۔؟ چند دن یا چوبیس سال نہیں، تعلق اور رشتے کو معنی اور اہمیت محبت اور قربانی سے ملتے ہیں اور محبت و قربانی کی جیتی جاگتی اک تصویر کو میں جانتی تو ہوں، امی۔۔۔۔۔" وہ سسکی۔ اس کے اندر اس وقت ذرہ برابر بھی اندر جانے کی تمنا نہیں تھی۔ اتنی سی بات سمجھنے کے لئے میں اتنی دور چلی آئی۔ بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر وہ پلٹی اور واپسی کے لئے دوڑ پڑی۔ جہان اس اچانک افتاد پر چونکا اور پھر بے اختیار ہی اس کی طرف بڑھا۔ سڑک کے بچوں بیچ شبیچ کا پیر مڑا اور وہ کراہ کر وہیں بیٹھ گئی۔ جہان اس کے قریب پہنچا تو وہ اکڑوں بیٹھی، گھٹنوں میں سر دیے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"کیا ہوا۔۔۔۔۔؟ ایسے روؤں تو مت۔۔۔۔۔ تم اندر تو گئی ہی نہیں۔" مگر وہ سن کہاں رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں امی۔" اس کے دل میں ایک ہی تکرار جاری تھی۔

جہان پنجنوں کے بل گٹھنے موڑ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"شبیج۔۔۔۔" اس نے پکارا تو وہ اور زوروں سے رونے لگی۔ بے اختیار ہی جہان کا ہاتھ

اس کے سر کی سمت اٹھا تھا۔ لیکن اس کے بالوں سے ذرا فاصلے پر ہاتھ روک کر اس نے

انگلیاں سمیٹ لیں۔

"شبیج۔۔۔۔۔" اس نے ہاتھ نیچے کر کے دوبارہ پکارا۔

"تم راستے کے بیچ بیٹھی ہو۔" اس نے ذرا سنبھل کر سر اٹھایا۔ اس کی سیاہ آنکھوں اور

سانولی رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔ اس نے کچھ لمحوں کے لئے ہتھیلیوں سے چہرہ

ڈھانپا۔

"نہی اٹھیک ہی کہتی ہے۔" اس نے ہتھیلیاں چہرے پر پھیر کر آنسو صاف کیے۔ "آسان

سے بات بھی مجھے بڑی دیر سے سمجھ آتی ہے۔" وہ دھیرے سے ہنسی اور جہان کو لگا کہ یہ

بھگی سی ہنسی جلد اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

جہان نے بھی تقلید کی۔

"جو مجھے کل ہی مان لینا چاہیے تھا، آج اتنی دور آکر سمجھا آیا۔"

"خیر، کوئی سفر رائیگاں نہیں ہوتا۔ جو تمہیں اتنی دور آکر سمجھ آیا ہے وہی اس سفر کا حاصل ہے۔"

"یہاں اتنے قریب آکر، اس گیٹ کے باہر کھڑے ہو کر بھی، میرے اندر ملنے، دیکھنے، جاننے یا کچھ پوچھنے کی کوئی خواہش نہیں جاگی۔ بلکہ مجھے امی یاد آئیں۔" اس نے گردن موڑ کر ٹینتھ ابی کے گیٹ کو دیکھا۔

دور سے آتی کار کے ہارن پر دونوں سڑک چھوڑ کر گاڑی کے پاس آئے۔ جہان نے درمیانی سیٹ کا دروازہ کھول کر پانی کی بوتل شبیج کو دی۔ پانی پی کر اس نے بوتل خود ہی جوٹ کی تھیلی میں واپس رکھ دی۔

"یک بار پھر سوچ لو۔" اگلا دروازہ کھول کر بیٹھنے سے پہلے جہان نے اسے کہا۔

"کل سے لے کر اب تک پہلی بار میں بالکل پر اعتماد ہوں۔ میرے ذہن میں کوئی گرہ، کوئی الجھن نہیں ہے۔ یہاں میرا کچھ نہیں۔ میرا سب کچھ ممبئی میں، میرے گھر میں ہے۔" اس کے اندر جاگا اعتماد اس کے چہرے اور آواز میں بھی جھلک رہا تھا۔

"تو چلو پھر گھر!" جہان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مگر۔۔ تم۔۔"

"یوں اکیلے صاحبہ کی طرف جانے کا کوئی مطلب نہیں ہے، اس لئے میں بھی اب واپس چلتا ہوں۔ اور پلیز تم انکار مت کرنا۔ رات میں تنہا سفر کرنا بالکل مناسب نہیں ہے جب کہ تم آرام سے میرے ساتھ چل سکتی ہو۔"

اس کی بات غلط نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ آکر بیٹھ گئی۔ جہان نے اس سے پوچھا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے لیکن اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ اور ابھی اس کے ذہن میں ایک خیال چمکا تھا۔

"تم نے مجھ سے پوچھا تھا صاحبہ کی طرف جاؤں یا نہ جاؤں؟" بڑے غور و خوص اور چور نظروں سے جہان کو دیکھنے کے بعد اس نے تمہید باندھی۔ "میرے خیال سے تمہیں جانا چاہیے۔ اس معاملے میں میں تمہارے کام آسکتی ہوں۔"

"کیسے؟" اس کی بات سن کر جہان کے چہرے پر ہوئے اثر نے اسے جزبز کر دیا۔

"تم نے میری اتنی مدد کی ہے تو میرا بھی کچھ فرض بنتا ہے۔"

"کیسے کرو گی میری مدد؟" ایسا نہیں تھا کہ اسے اس 'مدد' کا مطلب سمجھا نہیں تھا۔ پھر بھی۔۔۔

"کچھ دیر کے لئے میں وہ رول پلے کر سکتی ہوں جس کے بعد صاحبہ کو تمہاری بات پر یقین جائے گا۔"

"واقعی۔۔۔؟"

"ہمم۔۔۔" اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

"تھینک یو!" وہ خوش دلی سے مسکرایا۔

"اس حلیے میں تم وہ رول کیسے پلے کرو گی۔" کچھ دیر خاموشی سے ڈرائیو کرنے کے بعد جہان کو یاد آیا۔ شبیح نے خود پر نظر ڈالی۔ اس کی بات بھی درست تھی۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"میری تیاری مکمل ہے۔" اس نے انگلیاں بند کر کے انگوٹھے سے پچھلی نشستوں کی

طرف اشارہ کیا۔ جہاں اس کے کپڑے اور جوتے رکھے تھے۔

"تمہیں شاپنگ کی ضرورت ہے۔"

یہ شہر اس کے لئے انجان نہیں تھا۔ فارم ہاؤس پر قیام کے دوران وہ ماما اور ایش کی شاپنگ کے لیے اس شہر میں ڈرائیو کی خدمات انجام دے چکا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے گاڑی بڑی سی دکان کے سامنے روک دی۔ دوکان کے اندر داخل ہوتے ہی وہ مان گی۔ وہ اسے بالکل صحیح جگہ لایا تھا۔ وہاں صرف ریڈی میڈ ڈریسز ہی نہیں جوتے، سینڈلز،

جیولری، میک اپ، بیگز سب کچھ تھا۔ وہ انگلیاں مروڑتی ہوئی کپڑوں کے ہینگرز کی طرف

بڑھی۔ جہان دانستہ اس کے پیچھے تھا۔ سارے ڈریسز یا تو بہت سادہ تھے یا پھر بہت ہی

ہیوی۔ اس کے چہرے پر پسندیدگی کے آثار نہ دیکھتے ہوئے بلا آخر سیلز وومن نے پوچھ ہی

لیا کہ اسے کیسا ڈریس چاہئے۔ جواب میں 'پارٹی ویئر مگر سمپل اور سوبر' سن کر وہ اسے دوسری طرف لے گئی۔ جہاں اس کی پسند ملنے کا امکان تھا۔ تیزی سے ایک کے بعد ایک ہینگر آگے سرکاتے ہوئے آخر اس کا ہاتھ تھم گیا۔ وہ پلین آف وائٹ گولڈن بارڈر والا بنارسى انارکلی اور چوڑی دار تھا جس پر سرخ پرنٹڈ بنارسى دوپٹہ تھا۔

"اس میں اور دو کلر ہے۔" سیلز و من نے مستعدی دکھاتے ہوئے اور دو ہینگرز آگے کیے۔ ایک کا دوپٹہ بلو تھا اور دوسرا پرپل۔ تبھی پیچھے جہان کے فون کی رنگ ہوئی۔

"صاحبہ ہے۔" شبیح پلٹی تو جہاں نے کہا۔ اس نے جیب سے والٹ نکالا اور کارڈ نکال کر شبیح کی طرف بڑھایا۔

"تم آرام سے شاپنگ کرو۔ میں گاڑی میں ویٹ کرتا ہوں۔ پن ڈبل زیرو ٹوون ہے۔"

www.novelsclubb.com

ذرا سے تامل کے بعد اس نے کارڈ تھام لیا۔ اس کی غیر موجودگی میں شاپنگ زیادہ آسان تھی۔ جہان فون ریسیو کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ سرخ دوپٹے والا ڈریس، گولڈن سینڈلز، جھمکے اور سرخ لپ اسٹک لے کر وہ باہر نکلی تو جہان گاڑی کے پاس ہی کھڑا تھا۔ دوکان کی

سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کی نظر سڑک کے کنارے پھولوں اور گجروں کا کاٹو کرا لیے بیٹھی عورت پر پڑی۔

"میں ابھی آئی۔" ساری تھیلیاں پچھلی سیٹ پر ڈال کر وہ اس عورت کے پاس گی۔ واپس آئی تو جہان ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

"یہ گجرے امی کو بہت پسند ہیں۔" خشک پتے میں لپٹے موتیا کے گجروں کی مہک پوری گاڑی میں پھیل گئی تھی۔

"یہ تم نے اپنی امی کے لئے لیے ہیں؟"

نہیں۔۔۔۔۔ "وہ ہنسی۔" انہیں دیکھ کر امی کی یاد آگئی تھی۔ لیے تو اپنے لئے ہیں "

"صاحبہ کا فون تھا؟" اسے یاد آیا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ پوچھ رہی تھی کہاں پہنچا ہوں۔"

"اور۔۔۔۔۔؟"

"یہ کہ ساتھ میں کون کون ہیں۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں تنہا ممبئی سے اپنی فیانس کے ساتھ فنکشن میں شرکت کے لئے آرہا ہوں، یہ بات اسے بھی ہضم نہیں ہوگی۔ اس لئے میں نے کہا کہ سبھی یہاں فارم ہاؤس پر ہیں، لیکن فنکشن میں ہم دونوں ہی آرہے ہیں۔"

"ہم۔۔۔" شام اتر آئی تھی اور سورج کی کرنوں کا رنگ بدل گیا تھا۔

"ریزورٹ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"شہر عبور کر کے دوسری طرف جانا ہوگا۔ وہاں سے تقریباً اور ایک گھنٹے کا سفر ہے۔"

"ہمیں کہیں روکنا ہوگا۔"

جلد ہی کہیں رک جاؤ تو عصر مل جائے گی۔ "شبیچ کی بات پر اس نے رفتار بڑھائی۔

شہر سے باہر نکلنے کے بعد ایک ہوٹل کے آگے جہان نے گاڑی روک دی۔ اسے وہیں رکنے

کا کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چابی تھی۔

"تم کمرے میں نماز پڑھ کر آرام سے تیار کرو۔" اس نے کمرے کی چابی اسے تھماتے ہوئے کہا۔ اس نے پچھلا دروازہ کھول کر اس کی شاپنگ کی سارے تھیلیاں اسے پکڑائیں۔

"میرا بیگ۔" اس نے تھیلیاں تھامتے ہوئے سیٹ پر رکھے بیگ کی طرف اشارہ کیا

"گڈ! تم بھول نہیں رہی ہو۔" بیگ اٹھا کر اسے دیتے ہوئے اس نے تعریف کی۔ اب وہ کیا بتاتی کہ اس میں موجود ایمر جنسی کٹ کی اسے فی الحال بڑی ضرورت تھی۔

کمرے میں آکر اس نے نماز پڑھی۔ کچھ دیر یوں ہی بیٹھ کر مغرب ہونے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر مغرب پڑھنے کے بعد کردار کے اگیٹ اپ 'میں جٹ گئی۔ ڈریس کا ساڑھا سے برابر آیا تھا۔ گردن پر بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنایا۔ کانوں سے بالیاں نکال کر جھمکے ڈالیں، اس کے آخر میں لٹک تھا سرخ موتی اس کی گردن کو چھو رہا تھا۔ ایمر جنسی کٹ نکال کر میک اپ کیا۔ آخر میں لپ اسٹک لگائی۔ اپنی سانولی رنگت کی وجہ سے اسے وہم تھا کہ

سرخ لپ اسٹک اس پر چجتی نہیں ہے۔ ابھی بھی اس نے بڑی تلاش کے بعد یہ ہلاکاشیڈ لیا تھا۔ بالوں میں گجرے لگا کر سینڈل پہنی اور دوپٹہ سیٹ کر کے آئینے میں خود کا جائزہ لیا۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی، ایسا ہی کچھ اسے ننہی نے تیار کیا تھا۔ جب نزہت آنٹی اپنے شوہر کے

ساتھ اسے دیکھنے آئی تھیں۔ وہ ہنس مکھ اور نفیس سی اسکول پر نسیل اسے بہت اچھی لگی تھیں۔ شہر کے تمام ہی اردو اخبارات میں ان کی تحریریں اور مضامین شائع ہوتے تھے۔ جو عموماً معاشراتی اور اصلاحی ہوتے تھے۔ وہ پھوپھو کی سسرالی رشتہ دار تھیں۔ جنہیں اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے وہ بھاگئی تھی۔ اگر شادی کے بعد اسے عمران کے ساتھ ملک سے باہر سیٹ ہونے والی بات نہ ہوتی تو وہ کب کا یہ معاملہ امی کی مرضی پر چھوڑ چکی ہوتی۔ امی تو اس رشتے کے لئے دل و جان سے پتار تھیں۔ مگر اس کا منصوبہ کچھ اور تھا۔ اسے امی کے کوچنگ سینٹر کو ترقی کی نئی بلندیوں تک لے جانا تھا۔ اس ترقی اور اس سے بڑھتی آمدنی ہی صفی کو ڈاکٹر بنا سکتی تھی۔ سالوں پہلے جس دن صفی نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا، اسی دن ننھی نے اپنی کتابیں اور خواب دونوں اٹھا کر طاق رکھ دیے تھے اس اعلان کے ساتھ کہ اتنی مشکل پڑھائی اس کے بس میں نہیں۔ مگر وہ سب جانتے تھے کہ خود کو سفید اپرن اور اسٹیتھو اسکوپ کے ساتھ دیکھنے کا خواب ننھی نے صفی کی خاطر تیاگ دیا تھا۔ اور کوئی بھی اس کی اس قربانی کو رائیگاں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ صفی اپنے شانوں پر اپنی خواہش اور ننھی کی قربانی دونوں کا بوجھ لئے پڑھائی میں دن رات ایک کیا تھا۔ راستے

کے بیچوں بیچ روتے ہوئے اس کے ذہن میں اپنے اگلے اقدام کا خاکہ تیار تھا۔ اسے بس ہر سطر کے آگے ٹک کرنا تھا۔ امی کے قدموں میں گر کر معافی مانگنی تھی۔ نہی کے آگے ہاتھ جوڑنے تھے۔ ان دونوں کی ہر خواہش اور آواز پر لبیک کہنا تھا۔ عمران کے لیے امی کو ہاں کہنا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی امی کی خواہش اسے جلد سے جلد عمران کے ساتھ رخصت کرنے کی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ شادی کے بعد صفی کے خواب کی تکمیل میں امی اور نہی کی مدد کے لئے وہ کوئی اور راستہ نکال لی گئی۔ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے آئندہ کے اس واضح اور سہل منصوبے کو دل میں دہراتے ہوئے اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ کچھ گھنٹوں بعد کی اس پر عمل کس قدر کٹھن ہوگا۔

ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس نے ایک ایک چیز اکھٹا کی اور سارا سامان سمیٹا۔ اپنی کپڑے خالی تھیلی میں ڈال کر باقی کی تھیلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر رکھیں اور اچھی طرح تسلی کرنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے باہر جانے کے بعد ہی جہان کمرے میں آکر اپنی تیاری کرے گا۔ ہوٹل سے نکل کر وہ پارکنگ ایریا میں آئی۔ گاڑی کے پاس پہنچ کر کھڑکی کے شیشے پر دستک دینے سے پہلے اس کا ہاتھ رک گیا۔ جہان سیٹ پیچھے

کیے، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے سو رہا تھا۔ بلو جینز اور خاک کی کاٹن کی شرٹ میں ملبوس، اس کا چہرہ گہری نیند کی چغلی کھا رہا تھا۔ نظر ہٹائے بنا مسلسل دیکھنے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔

"یہ مونچھیں تو باقاعدہ ہے، لیکن یہ داڑھی۔۔۔۔۔ پتہ نہیں، سابقہ ممکنہ محبوبہ سے

ملاقات کی فکر کے باعث ہے یا پھر

دائمی ایسی ہی ہے۔" اسکی ہلکی داڑھی دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ کتنی ہی دیر وہ بڑے انہماک سے اسے دیکھتی رہی پھر خود ہی اس انہماک پر ٹھٹھک کر گڑ بڑا گئی۔ اس کا دل نہیں مانا کہ اسے جگائے۔ وہ واپس کمرے میں چلی آئی۔ مگر اس سے پہلے اس نے ریسپشن پر جا کر ہدایت دی تھی کہ گاڑی والا خود سے جاگ جائے تو اسے فون کر کے اطلاع دی جائے۔ شکر تھا کہ کمرے میں ٹی وی اور اخبار تھا۔ ٹی وی، اخبار اور بڑی احتیاط سے تھوڑی لوٹ پوٹ کے بعد اب وہ اکتانے لگی تھی کہ ریسپشن سے فون آگیا۔ وہ نیچے پہنچی تو جہان تیار تھا۔ سیاہ پینٹ شرٹ پر گرے بلیزر اور پیروں میں فورمل شوز۔ قریب پہنچ کر اس نے کمرے کی چابی جہان کو دی۔ چابی ریسپشن پر لوٹانے کے بعد جہان نے اس کے ہاتھ سے ساری تھیلیاں لے لی۔ اپنی تیاری سے باخبر، جہان کی دم بخود نظروں پر وہ جھینپ گئی تھی۔

باہر نکلتے ہی سرد ہوا کے جھونکے اسے ہاتھ باندھ کر خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیا۔ ساری تھیلیاں پچھلی سیٹ پر ڈال کر جہان نے وہاں سے اپنا بامبر جیکٹ اٹھا کر اسے دیا۔

"یہ پہن لو۔ آگے اور زیادہ ٹھنڈ ہو گئی۔" وہ خود بھی بلیزر پہنے تھا۔ شبیح نے جیکٹ لے کر پہن لیا۔ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے اپنا فرائیڈ اور دوپٹا سمیٹا۔

"چلیں۔۔۔۔۔؟" اس نے معرکے پر نکلنے سے پہلے اجازت مانگی۔

"بلکل!" وہ تیار تھی۔ جہان نے مسکراتے ہوئے گاڑی آگے بڑھائی۔

"ہم وہاں زیادہ دیر نہیں رکھیں گے۔" شبیح کی بات پر اس نے ہنکار بھرا۔

اس نے شکر ادا کیا کہ وہ جیکٹ پہنے تھی کیوں کہ جیسے جیسے سفر آگے بڑھ رہا تھا فضا کی خنکی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

"تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟"

"تم اتنی گہری نیند میں تھے کہ مجھے اچھا نہیں لگا۔" اس نے ایمانداری سے اعتراف کیا۔

"اگر میں اٹھتا ہی نا تو؟"

"اب ایسا بھی نہیں ہے۔" وہ ذرا آہستہ سے گویا ہوئی۔ "اتنی تیاری کے ساتھ میں اتنا ہی انتظار کر سکتی تھی۔" جہان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تو وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"میرے لئے کوئی خاص ہدایت یا تاکید؟" ذرا دیر بعد شبیح نے پوچھا۔ پیشانی پر شکن ڈالے کچھ دیر سوچنے کے بعد جہان نے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہارے کامن فرینڈز میں ہوں گے وہاں؟"

"کالج میں صاحبہ کی دوستی ہمارے گروپ سے ہی تھی۔ ظفر اور نوید ممبئی میں ہیں اور فوزیہ شادی کے بعد ناروے میں۔ سو میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا۔"

ریزورٹ پہنچنے تک وہ دونوں ایک دوسرے کے خاندان کے ہر فرد کا مکمل تعارف حاصل کر چکے تھے۔ ریزورٹ کی روشنیاں دور سے ہی نظر آرہی تھیں۔ باہر کھڑی گاڑیوں کی لمبی قطار اندر موجود افراد کی تعداد کا بتا دے رہی تھی۔

"اتنی بھیڑ میں بھلا ہم مل پائیں گے دلہن سے؟" اسے فکر لاحق ہوئی۔ اس کی تشویش پر جہان مسکرا دیا۔

"جلدی سے صاحبہ کو اپنی شکلیں دکھا کر واپس چلتے ہیں۔" جہان نے گاڑی پارک کی تو وہ اترنے کی تیاری کرتے ہوئے بولی۔

"ایسے ہی جاؤ گی؟" جہان نے جیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ سمندر کے قریب لہروں کے شور کے ساتھ ہوائیں بھی تخیستہ تھیں۔ اس کا دل بالکل بھی نہیں تھا کہ جیکٹ اتارے۔ مگر وہ ایسے بھی نہیں جاسکتی تھی۔

"میں زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتی۔" اس نے چار و ناچار جیکٹ اتار کر پیچھے رکھا۔ "اس لئے جلد ہی وہاں سے نکل چلنا۔" اس نے بتایا۔ جہان نے زیر لب مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ وہ نجل سی دروازہ کھولنے لگی۔

"شبیچ۔۔۔۔" جہان کی آواز پر اس کا ہاتھ تھم گیا۔ وہ اس کی طرف پلٹی۔

"ایک کمی رہ گئی ہے۔" اس نے بلیزر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر انگوٹھی نکال کر سامنے کی۔

"یہ تم نے کب خریدی؟ یا گھر سے لے کر آئے تھے؟" سلور رنگ کی گولائی میں چھوٹے چھوٹے ٹنگینے چمک رہے تھے اور درمیان میں ذرا بڑا ٹنگینہ تھا۔

"تم شاپنگ کر رہی تھی اس وقت۔" جہان نے انگوٹھی والا ہاتھ آگے کیا تو اس نے اپنی ہتھیلی پھیلائی۔ جہان نے انگوٹھی اسکی ہتھیلی پر رکھ دی۔ شبیح نے انگوٹھی انگلی میں ڈالی جو ذرا ڈھیلی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہتھیلی سیدھی کی۔ جگمگاتی انگوٹھی کا رخ جہان کی طرف تھا۔

"پرفیکٹ!" اس کی مسکراہٹ بڑی جاندار تھی۔

موجودہ حکمران سیاسی جماعت کے سیاست داں کی بیٹی کی شادی جیسی ہو سکتی تھی، یہاں بلکل ویسا ہی ماحول تھا۔

قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھتے ہوئے وہ دونوں یکسر مختلف خیالات میں گھرے تھے۔ ایک آنے والی ساعتوں کے تصور سے سہمی سی تھی، تو دوسرا زمین پر ایک ساتھ اٹھتے، گرتے چار قدموں کو دیکھتے ہوئے ان کے یونہی ایک ساتھ رہنے کی آرزو کر رہا تھا۔

داخلی دروازے پر پہنچ کر جہان نے شبیح کے چہرے کو دیکھا۔ گھبراہٹ صاف عیاں تھی۔

"ریلیکس! یہاں تم کسی کو جانتی ہو نہ کوئی تم سے واقف ہے۔ اس لیے اتنا ٹینس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔" اس کی حوصلہ دیتی بات اور ڈھارس بندھاتی نگاہیں، وہ واقعی پر سکون ہو گئی۔ اندر بھانت بھانت کے چہروں، ڈیزائیز سوٹس، شیر وانیوں اور ساڑیوں کے بیچ سے گزر کر وہ دونوں اسٹیج کی طرف بڑھنے لگے۔ اسٹیج سے ذرا فاصلے پر ہی تھے کہ وہاں سے دولہاد لہن نظر آ گئے۔

"ماشاء اللہ!" بے اختیار اسکے منہ سے نکلا، وہ آنکھوں میں ستائش لیے، مبہوت سی صاحبہ کو تک رہی تھی۔ جہان نے چونک کر اسے دیکھا۔ یہ ہی، بلکل ایسا ہی، اس کا حال ہوا تھا جب وہ زینہ اتر کر ریسپشن پر آرہی تھی۔ مگر وہ اظہار کے معاملے میں ایسا بے اختیار نہیں ہوا تھا۔

"تمہیں صاحبہ کو اپنی ممانے ملو ادینا چاہئے تھا۔ آخر ان کی تمنا بھی چاند سی بہو ہوگی۔" اس نے پل بھر کے لئے صاحبہ سے نگاہ پھیر کر جہان کو دیکھا۔ "سراسر نقصان کروالیا

اپنا! "ناسف بھرے فقرے کے بعد وہ پھر صاحبہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اسکی نظر کے تعاقب میں جہان نے اسٹیج پر کھڑی دلہن کو دیکھا اور پھر پہلو میں کھڑی شبیح کو۔

"نا۔۔۔ کوئی نقصان نہیں ہوا ہے میرا۔ بلکہ نقصان سے بچ گیا ہوں۔" وہ پراشتیاق نظروں سے صاحبہ کو دیکھ رہی تھی اور جہان کی پرشوق نظریں اسے۔

"اس نے شاید تمہیں پہچان لیا ہے۔" شبیح کی بات پر اس نے سامنے دیکھا۔ صاحبہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں اوپر اسٹیج پر بلا رہی تھی۔

"کانگریٹس۔" اسٹیج پر پہنچ کر دولہا سے مصافحہ کرتے ہوئے جہان نے دونوں کو مبارکباد دی۔

"تھینکس۔"

"یہ میرا کلاس میٹ جہان ہے۔" دولہے کی استفہامیہ نظر کے جواب میں اس نے تعارف کرایا۔ "اور یہ اس کی فیانسے۔۔۔۔۔"

"شبیح۔" جہان نے ادھورا تعارف مکمل کیا۔

"اور یہ میرے نئے نویلے ہسبنڈ شبیر۔"

"بہت بہت مبارک ہو آپ دونوں کو!" شبیح نے مروان اور سنہری لہنگے میں، سچی

سنوری، دم بخود کرتے حسن والی صاحبہ کے سامنے اپنا ہاتھ بڑھایا اور صاحبہ نے اسے

حیران کرتے ہوں ہاتھ ملانے کی بجائے گلے لگا لیا۔

"اور کیا کرتے ہیں آپ؟" شبیر نے جہان کے ساتھ رسمی گفتگو کا آغاز کیا تو صاحبہ اس کا

ہاتھ پکڑ کر پیچھے اپنی کرسی پر آ بیٹھی اور اسے بھی بغل والی کرسی پر بٹھا دیا۔ بیرے کو

اشارے سے قریب بلا لیا۔ وہ ٹرے میں رنگ برنگی مشروبات لیے حاضر تھا۔ شبیح نے

سرخ گلاس اٹھا لیا، یہ سوچ کر کہ وہ تریبوز کا مشروب ہوگا۔ پہلا گھونٹ بھرتے ہی وہ

پچھتائی۔

"شادی میں بیٹ روٹ۔۔۔؟ بڑے لوگوں کے چونچلے!" اس نے بڑی جدوجہد سے وہ

ایک گھونٹ حلق کے نیچے اتارا۔

"ریلیٹیو ہو جہان کی؟" صاحبہ نے مصاحبہ شروع کیا۔

"نہیں۔"

"جہان سے تم پہلے ملی تھی یا اس کی ممانے رشتہ طے کیا ہے؟"

"میں جہان سے ملی تھی۔" اس میں جھوٹ نہیں تھا۔

"کہاں؟ ہمارے کالج میں تو نہیں تھی؟"

"بس اسٹاپ پر۔" یہ صد فیصد سچ تھا۔

"اس کے بعد۔۔۔۔"

"میں مشکل میں تھی اور۔۔۔۔" اس نے شبیر کے ساتھ محو گفتگو جہان کی طرف

اشارہ کیا۔۔۔ میری مدد کی تھی۔" اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات بھانپ کر صاحبہ

کو غلطی کا احساس ہوا۔ www.novelsclubb.com

"سوری۔۔۔ مجھے اتنی پرسنل ڈیٹیلز نہیں پوچھنا چاہیے۔" اس نے تائیدی مسکراہٹ

کے ساتھ سر ہلایا۔

"ایکجوبلی مجھے یقین تھا بلکہ اب بھی ہے کہ جہان پر مکمل اسکی ماما کنٹرول ہے۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ جہان کی پسند سے ہوئی یہ انگیجمنٹ قبول کرنا میرے لئے ذرا مشکل ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ آنٹی بہت نائس خاتون ہیں۔" اس نے غائبانہ تعارف کی بنیاد پر دفاع کیا۔

"آئی ہو پ، ایسا ہی ہو۔" اس کے خیالات جہان کی ماما کے لیے بڑے منفی تھے۔

"یہ ڈریس ضرور جہان نے خریدا ہوگا؟" صاحبہ نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"ہم۔۔۔" ادائیگی تو اسی نے کی تھی۔

"میں دور سے ہی دیکھ کر جان گئی تھی۔ اسے ہمیشہ وائٹ، آف وائٹ، کریم، اسی قسم کے

شیڈز پسند آتے تھے۔" اب یہ تو اس کے لئے بالکل نئی اطلاع تھی۔ تبھی کچھ لوگ دولہا

دلہن کو مبارکباد دینے چلے آئے۔ صاحبہ اٹھ کر شبیر کی برابر کھڑی ہو گئی تو وہ بھی کر سی

چھوڑ کر ذرا پرے جا کر بیرے کو تلاش کرنے لگی۔

"کیا ہوا؟" اس کی متلاشی نظریں محسوس کر کے جہان قریب آیا۔

"یہ واپس کرنا ہے۔" اس نے مری آواز میں ہاتھ میں پکڑے گلاس کی طرف اشارہ کیا۔

جہان نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر اپنا نارنجی گلاس اسے تھمایا۔

"بیٹ روٹ ہے۔" اس نے جلدی سے منہ بنا کر آگاہ کیا۔

"ایسے موقعوں پر سب سے سیف چوائس اور بیخ جو س ہوتی ہے۔" اس نے بڑے آرام سے شبیچ کا گلاس لبوں سے لگایا۔ اسے یوں گلاس خالی کرتے دیکھ اسے باقاعدہ جھر جھری آگئی۔

"ویسے کیا باتیں ہو رہی تھیں۔"

"سابقہ امیدوار اور کرنٹ فیانسے میں کیا باتیں ہو سکتی ہیں۔" اس کا تجسس دیکھ کر اسے بڑا مزا آیا۔

"کرنٹ فیانسے۔۔۔۔۔ ہم۔۔۔۔۔" جہان نے ابرو کے خم اونچے کر کے پر سوچ انداز میں ذرا سر کو جنبش دی تو وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ صاحبہ جو نظر بچا کر انہیں دیکھ رہی تھے، دونوں سے نظر ہٹانا بھول گئی۔

"ویسے تم نے جیسا نقشہ کھینچا تھا وہ اتنی بری نہیں ہے۔"

"ہا۔۔۔ یہ تو سیدھا الزام ہے۔ میں نے کب صاحبہ کو برا کہا؟"

"تمہاری باتوں سے لگا تھا کہ وہ کوئی نک چھڑی، بگڑی امیرزادی ہوگی۔"

"امیرزادی تو ہے، بگڑی ہر گز نہیں اور نک چڑھی۔۔۔۔۔ کبھی کبھی۔"

"بہت خوبصورت ہے اور مجھے اچھی بھی لگی۔ تمہیں سوٹ کرتی۔"

"خیر! قصہ پارینہ تھا جو آج انجام کو پہنچا۔ تھینکس ٹویو۔"

"تو اب چلیں؟"

"ہم۔۔۔۔۔ چلتے ہیں۔" اس نے قریب سے گزرتے بیرے کو روک کر اپنا اور شبیخ کا

خالی گلاس ٹرے میں رکھا۔

وہ دونوں وداع لینے صاحبہ کے پاس جاتے، اس سے پہلے وہ خود ہی ان کے پاس چلی آئی۔

"شادی کب کر رہے ہو پھر؟" صاحبہ نے پوچھا اور شبیع خواجہ خواہ ہی سر جھکا کر انگلی میں پڑی انگوٹھی گھمانے لگی۔

"جلد ہی۔" جہان نے سر جھکائے کھڑی شبیع کو دیکھا۔

"پہلے سے انفارم کر دینا تاکہ میں شریک ہو سکوں۔ انگیجمنٹ کی طرح سرپرائز مت دینا۔"

"انشاء اللہ ضرور۔"

"چلیں۔۔۔" شبیع کو یہ ساری گفتگو بڑی غیر مناسب لگ رہی تھی۔

"ارے اتنی جلدی۔۔۔ کھانا بھی نہیں کھایا بھی تو۔"

"فارم ہاؤس پر سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ تو تمہاری تسلی کی خاطر ہم دونوں بھاگے

بھاگے چلے آئے۔" کسی ماہر دروغ گو کی طرح جہان نے جھوٹ بولا۔

"تمہیں سب کو لے کر آنا چاہیے تھا۔"

"تم نے کہاں سب کو انوائٹ کیا تھا۔ جسے بلایا تھا، اسے لے آیا۔" جہان نے جتایا اور وہ حقیقتاً شرمندہ ہو گئی۔ تبھی جہان کا فون بجا۔ وہ معذرت کرتا اسٹیج سے اتر کر نسبتاً تنہا گوشے میں چلا گیا۔

"جہان نے تمہیں میرے متعلق بتایا تو ہوگا؟" اسے امید نہیں تھی کہ وہ برائے راست اس سے یہ پوچھے گی۔ شبیح نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"میں جہان کو پسند کرتی تھی، بلکہ وہ میری پہلی محبت تھا۔" وہ اپنے دولہا کے ساتھ، ایک ہی اسٹیج پر کھڑی سادگی اور بہادری سے اعتراف کر رہی تھی۔ "پہلے دلچسپی دکھانے کے بعد اس نے اپنے قدم روک لیے تھے۔ پھر جیسے جیسے میں نے اس کے ساتھ وقت گزارا، پہلے شک اور پھر یقین ہو گیا کہ اس کا یہ اجتناب اپنی ممانگی وجہ سے تھا۔ وہ انکار کرتا رہا مگر آج سے پہلے مجھے لگتا تھا کہ اسے بھی مجھ سے محبت تھی، لیکن۔۔۔" صاحبہ سانس لینے کو رکی۔

"وہ جیسے تمہیں دیکھتا ہے، اس نے کبھی ایسی ایک نظر بھی مجھ پر نہیں ڈالی۔" پورے سفر کے دوران کئی ایسے لمحے آئے تھے جب جہان کا دل بے ایمان ہو کر ایک نئے انداز سے

دھڑکا تھا۔ شبیع کے لیے یہ پہلا لمحہ تھا۔ اس نے فاصلے پر کھڑے، فون پہ مصروف جہان کو دیکھا۔ اور اچانک، بالکل اچانک یکے بعد دیگرے اس پر کئی انکشاف ہوئے۔

"بہت اچھا ہوا جو وہ تمہیں یہاں لے آیا۔ ورنہ میں ساری عمر اسی غلط فہمی میں مبتلا ضروری تھا۔" صاحبہ کی بات جاری تھی مگر وہ سن رہتی۔ نئی شروعات کے لیے یہ کلوزر کہاں رہی تھی۔ ابھی ابھی کھلے رازوں نے اسے ساکت کر دیا تھا۔ بات کرتے کرتے جہان نے دونوں کی جانب دیکھا تو وہ ہوش میں آئی۔

"جہان بہت اچھا انسان ہے اور وہ تم سے محبت کرتا ہے، بہت لکی ہو تم۔۔۔۔ میں بھی کیسی باتیں کر رہی ہوں، یہ سب تو تم مجھ سے بہتر جانتی ہو گی۔" وہ خوشدلی سے ہنسی اور شبیع باوجود کوشش کے مسکرا بھی نہیں سکی۔ بات سمیٹ کے جہان ان دونوں کے پاس پہنچا تو وہ ایک نئی شبیع تھی۔

"اب اجازت دو ہمیں۔"

"کچھ تصویریں تو لینے دو۔" صاحبہ ان دونوں کو لے کر شبیر کے پاس آئی۔ دلہا دلہن کے ساتھ تصویریں کھنچوانے کے بعد جہان نے اجازت مانگی۔

"شکریہ، شبیع کو مجھ سے ملوانے کے لیے۔" صاحبہ نے جہان سے کہا۔

"مجھے بھی آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔" شبیع نے اس کے ہاتھ تھامے۔

"سیم ہیئر۔"

وہ دونوں باہر نکلیں تو جہاں نے اس کی سنجیدگی اور خاموشی محسوس کی۔ گاڑی تک پہنچنے تک دونوں نے کوئی بات نہیں کی۔ شبیع کے بندھے ہاتھ دیکھ کر جہان نے اسے جیکٹ دینے کے لئے پچھلا دروازہ کھولا تو صاحبہ کے تحفے پر نظر پڑی۔

"اوہ۔۔۔ یہ تو رہ گیا۔" اس نے جیکٹ اٹھا کر شبیع کو دیا۔

"تم یہیں رکو، میں دے کر آتا ہوں۔" پارکنگ سے اسٹیج کا فاصلہ بہت تھا۔ اسے اتنی لمبی مسافت سے بچانے کی خاطر اکیلا ہی اندر چلا گیا۔

شبلیج نے پچھلی سیٹ پر رکھیں تھیلیاں دیکھیں۔ اسے اپنا حلیہ تبدیل کرنا تھا۔ بیگ میں ہاتھ ڈال کر 'یلوچٹ' نکالی، پین سے اس پر کچھ لکھا اور اسے کھڑکی کے شیشے پر چسپاں کر کے اندر آگئی۔ اس نے وردی میں گشت کر رہے بیروں سے پوچھ پوچھ کر بلا آخر 'چینجنگ روم' اڈھونڈ ہی لیا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ منہ دھونے کے لئے واش بیسن تک آئی۔ آئینے میں اپنے عکس پر نظر پڑتے ہی اس کی سماعتوں میں صاحبہ کے الفاظ گونجے۔

"وہ جیسے تمہیں دیکھتا ہے، اس نے کبھی ایسی ایک نظر بھی مجھ پر نہیں ڈالی۔" اچانک اسے وہ نظریں آئینے سے اپنی طرف دیکھتی محسوس ہوئی۔ تبھی آئینے میں وہ خاکہ ابھرا جو اس نے ہوٹل کے کمرے میں تیار ہوتے وقت ترتیب دیا تھا۔ بے اختیار ہی ہاتھ اٹھا کر اس نے ہتھیلی آئینے پر پھیری۔ اسے بھی علم نہیں تھا وہ کیا مٹانا چاہتی ہے۔ وہ نظریں، یا وہ خاکہ! چہرے پر ٹھنڈا پانی ڈال کر اس نے جذبات کو بھی سرد کرنے کی کوشش کی جو کہیں پیش پا کر مچلنے لگے تھے۔

جہان واپس لوٹا تو ڈرائیور والی کھڑکی پر سے ایلوچٹ املی۔ "میں چینج کر کے آرہی ہوں۔" اس نے کھینچ کر چٹ نکالی اور جیب میں ڈال لی۔ ذرا دیر انتظار کے بعد جب وہ نہیں لوٹی تو انجانے خدشات میں گھرا وہ اندر کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اسے شہینج آتی نظر آئی۔ وہ اپنے مسٹر ڈیلو کرتے اور سفید دوپٹے میں ملبوس تھی۔ میک اپ، گجرے، اور جیولری سے پاک ، تھکی تھکی، دھلی دھلی سی وہ لڑکی لمحہ بہ لمحہ، قدم بہ قدم اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

سارا سامان پچھلی سیٹ پر رکھنے کے بعد اس نے انگوٹھی اتارنے کے لئے ہاتھ آگے کیا۔ "ہاہ۔۔۔" ساری انگلیاں خالی تھیں۔ "یا اللہ! کہاں گر گئی؟" وہ جس راستے سے چل کر آئی تھی، اس نے پلٹ کر ادھر نظر میں دوڑائیں۔

"چھوڑو۔۔۔ وہ کہاں اصلی تھی۔" جہاں نے کہا تو وہ جو انگوٹھی کی تلاش میں پلٹ چکی تھی، رک گئی۔

"تمہیں اس کی بھی ضرورت پڑے گی۔" جہاں نے پیچھے سے شال اٹھا کر اسے دی۔ وہ پہلے ہی جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔

"تم آرام سے سو جاؤ، میں سیٹ پیچھے کر دیتا ہوں۔" اس کے بدلے مزاج کو جہان نے تھکان سمجھا۔

"ابھی مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔" جہان کی موجودگی میں یوں لیٹ کر سونے کا خیال اسے مناسب نہیں لگا۔

جہان نے اپنی جگہ سنبھالی تو وہ بھی بیٹھ گئی۔

"تم صبح سے ڈرائیو کر رہے ہو، تھک گئے ہوں گے۔" سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے اسے یاد

آیا۔ "اگر کہیں رک کر کچھ دیر آرام کرنا چاہو تو۔۔۔۔"

"میں نے اپنی نیند پوری کر لی ہے۔ اب آرام سے صبح تک ڈرائیو کر سکتا ہوں۔ کہیں

تمہیں ڈر تو نہیں لگ رہا؟" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"نہیں، تم کافی قابل بھروسہ ڈرائیور ہو۔" وہ بھی مسکرائی۔

گاڑی ریزورٹ کی حدود سے باہر نکل کر سڑک پر آئی تو اس نے قصد آنکھیں موند کر سر پیچھے ٹکا دیا۔ جانے کتنی دیر بعد جہان نے بریک لگایا تو وہ آنکھیں کھول کر سیدھی ہوئی۔ وہ ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔

"کھانا۔۔۔۔۔" جہان نے اترنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے بالکل بھوک نہیں ہے، میں یہیں رکتی ہوں، تم کھا لو۔"

"چائے لوگی؟"

"نہیں۔" جہان اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

"میں صبح ایک اجنبی سے ملی تھی، لیکن کیارخصت ہوتے وقت بھی وہ اجنبی ہی رہے گا؟"

اس کی پشت کو دیکھتے شبیح نے خود سے سوال کیا۔ چند منٹوں بعد جہان واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سینڈویچز اور چائے تھی۔

"بغیر بھوک کے ہی کھا لو۔" اس نے سینڈویچ دیتے ہوئے کہا۔

"تم پر اپر کھانا کھاتے، یہ کیوں لے آئے۔" اسے بھی سینڈویچ اور چائے کا ڈنر کرتے دیکھ وہ ناراضگی سے بولی۔ اس کے انداز پر وہ نہال ہی تو ہو گیا تھا۔

"زیادہ کھانا کھالوں گا تو سستی اور نیند کے جھونکے آنے لگے گے۔" اس ڈنر سے فارغ ہو کر اس نے موبائل ہاتھ میں لیا۔

"ابھی ہم ستار اپونہ والے روٹ سے چلتی ہیں۔" وہ فون میں ڈائرکشن سیٹ کرتے ہوئے بولا۔

"ہم آئے وہ کونسا راستہ تھا؟" اس کے لیے تو سب ہی نیا اور پہلی دفعہ تھا۔

"وہ NH4 تھا، یہ NH17 اس سے کئی بہتر ہے۔"

"تو تم نے پہلے بہتر والا روٹ کیوں نہیں لیا تھا؟"

"پھر تم سے کیسے مل پاتا!" فون اسٹینڈ میں لگا کر اس نے شبیج کو دیکھا۔ اس نے نظریں چرا

لیں۔ بڑی دل نشیں مسکراہٹ کے ساتھ جہان نے گاڑی آگے بڑھائی۔ وہ ایک بار پھر

سوتی بن گئی۔ جبکہ دراصل اس کے اندر تلاطم برپا تھا۔ کافی وقت کے بعد ایک بار پھر گاڑی رکی تو اس نے آنکھیں کھولیں۔

"یہاں مسجد ہے۔ میں عشاء پڑھ لیتا ہوں۔" وہ اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

"نماز تو میری بھی باقی ہے۔" وہ بھی اتر آئی۔ وہ مسجد نہیں تھی بلکہ مزار تھا۔ جہاں کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔

"تم رکو، میں اندر دیکھتا ہوں شاید کوئی ہو۔"

جہان اندر مجاور سے بات کر کے واپس آیا تو وہ صحن میں لگے نل سے وضو کر کے ایک گوشے میں نماز کو کھڑی ہو چکی تھی۔ جہان کی نماز بھی ہو گی مگر اس کی دعا ختم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اپنے اطراف سے قطعی بے خبر ہو کر دعا میں مشغول تھی۔ اور جہان اسے دیکھتے ہوئے، اس کی دعاؤں سے انجان، اس کی ہر دعا کے لئے آمین کہے جا رہا تھا۔ دونوں کو ہی وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ جب وہ دوپٹے سے بھیگا چہرہ خشک کرتے ہوئے کھڑی ہوئی تو جہان اپنے مخصوص انداز میں سینے پر دونوں ہاتھ باندھے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آج ہی سب کچھ مانگ لیا۔" جہان کی بات پر وہ آزر دگی سے مسکرائی۔

"میرا سب کچھ بڑا مختصر ہے۔"

"تمہاری دعا تو مختصر نہیں تھی۔"

"معافیاں مختصر نہیں ہوتی۔"

"اتنی بڑی خطا نہیں ہے تمہاری کہ ایسی طویل معافی مانگنی پڑے۔"

"دل دکھانے سے بڑا کوئی گناہ ہے؟" اس نے جہان کو لاجواب کرنا چاہا۔

"انجانے میں ہوئی غلطی کا شمار گناہ میں نہیں ہوتا۔"

"جان کر یا انجانے میں، اگر غلطی کا بوجھ لمحہ بہ لمحہ دل پر بڑھتا جائے تو دعائیں اور معافیاں

www.novelsclubb.com طویل ہو جاتی ہے۔"

"غلطی کا اقبال اور ندامت کا احساس ہی آدھی معافی ہے۔" اس کے حوصلہ دیتے لفظوں پر

اس نے تشکر بھری آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

شبلیج کی نہ نہ کے باوجود جہان نے اس کی سیٹ ریکلائن کر دی تھی۔ جیکٹ کے اوپر شال اوڑھ کر اس نے آنکھیں بند کیں تو کچھ دیر میں ہی گہری نیند میں ڈوب گئی۔ تھکے ذہن کو بھی آرام مطلوب تھا۔

ایک نئی اور بڑی دلنشین دستک اور آہٹ کا استقبال کرتا جہان، اپنے تختیل اور تصور کی نئی نئی گہرائیاں ناپ رہا تھا۔ درمیان میں وہ بے خبر سوئی شبلیج پر نگاہ کرنا نہیں بھولتا تھا۔ اس کی آنکھ کھلی تو وہ چپ چاپ اسی حالت میں لیٹی رہی۔ اپنی جگہ سے اسے ڈرائیونگ کرتے جہان کی پشت اور ایک رخ نظر آ رہا تھا۔ وہ ریزورٹ سے نکلنے کے بعد سے اب تک اپنا ترتیب دیا خاکہ ہزاروں دفعہ دل میں دہرا چکی تھی۔ اس میں کسی نئی سطر کی گنجائش نہیں تھی۔ آنے والے انجان پل اسے زندگی کا سب سے کٹھن امتحان لگ رہے تھے۔ اس کی نظروں کی تپش تھی یا اس کے خیال کا ارتعاش، جہان نے مڑ کر دیکھا۔

"تم جاگ گئی۔" وہ اٹھ بیٹھی۔ بال اور دوپٹہ درست کیا۔ پھر سیٹ سیدھی کی۔

"کہاں پہنچے ہم؟"

"بس پنویل پہنچنے والے ہیں۔"

"اوہ۔۔۔! میں تمام راستہ سوتی رہی۔" وہ سچ میں حیران تھی۔

"مجھے پنویل اسٹیشن ڈراپ کر دینا۔" اس نے شمال تہ کرتے ہوئے ممبئی کی لوکل ٹرین

نیٹ ورک کی ہار برائن کے آخری اسٹیشن کا نام لیا۔

"کم آن۔۔۔ اب میں تمہیں ڈائریکٹ گھر ہی ڈراپ کروں گا۔"

"نہیں۔" اس کا لہجہ اتنا حتمی اور سخت تھا کہ جہان سے زیادہ وہ حیرت زدہ تھی۔

"میں تمہارے ساتھ گھر نہیں جاسکتی۔" اسے اپنی آواز اور الفاظ، دونوں اجنبی لگے۔

"پانچ بجنے والے ہے، ٹرینیں شروع ہو گئی ہوں گی۔ میں آرام سے گھر پہنچ جاؤ گی۔" اب

کے وہ ذرا سنبھل کے بولی تھی۔ مگر جہان ہونٹ سختی سے بند کیے خاموشی سے ڈرائیو کرتا

رہا۔ زایلو میں ایک بار پھر سفر کے آغاز والی خاموشی تھی۔

گاڑی اسٹیشن کے احاطے میں روکنے تک وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔ شبیج اپنا بیگ لیے آہستہ سے باہر نکلی۔ اسٹیرنگ کو مضبوطی سے تھامے کچھ دیر سوچنے کے بعد، وہ خود کو تیار کر کے باہر نکلا۔

"تم نے میری جتنی مدد کی ہے اس کے لئے شکریہ بہت چھوٹا اور بڑانا مکمل لفظ ہے۔" وہ اسی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی جو جہان کو پچھلے کئی منٹوں سے کھٹک رہی تھی۔

"میں نے تو صرف لفٹ دی تھی۔ اصل مدد تو تم نے میری کیا ہے اور اس کے لئے میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کروں گا بل۔۔۔۔"

"گھر جا کر سب سے پہلے۔۔۔" اس نے جہان کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ فی الحال وہ اسے بولنے کا موقعہ دینے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ "امی اور نئی سے معافی مانگنی ہے۔"

ان کی ہر آواز اور خواہش پر لبیک کہنا ہے۔ صفی کو ڈاکٹر بنا دیکھنے کے بعد فی الحال دونوں کی سب سے بڑی خواہش مجھے عمران کے ساتھ رخصت کرنا ہے۔ وہ میرے جواب کے

انتظار میں رکی ہیں اور میں انہیں اب مزید انتظار نہیں کرواؤں گی۔"

"شبیج۔۔۔!" اس ایک پکار میں حیرانگی، ناراضگی، خواہش، التجا، شکوہ، امید، سب کچھ تھا۔ وہ سر جھکائے، جوتے کی نوک سے زمین پر ٹھو کریں مار ہی تھی۔

"وہاں ٹینتھ بی کے گیٹ سے پلٹتے وقت ہی میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میری زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار امی کو ہے۔۔۔"

"تمہاری امی کا یہ ہی آخری فیصلہ ہو، ضروری تو نہیں۔ نئے امکان اور متبادل سامنے آئیں تو ان کا فیصلہ بدل بھی سکتا ہے۔" اب کے اس نے قطع کلامی کی۔ اس کا انداز بھی جارح تھا۔

"میں امی کا یہ فیصلہ آخری مان چکی ہوں۔"

"تم بیوقوف ہی نہیں، بے رحم اور ظالم بھی ہو۔" جہان نے اس کے جھکے سر کو دیکھا، جبکہ اس کا دل کر رہا تھا کہ اسے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے اور کہے 'ادھر میری آنکھوں میں دیکھو۔'

"شاید۔" شبیج نے سراٹھایا مگر جہان کو دیکھنے سے گریز کیا۔

"اچھا اپنا نمبر تو دو۔" خیر وہ تو بے وقوف نہیں تھا۔

"نہیں۔۔۔" وہ مگر واقعی بے رحم اور ظالم تھی۔ اس کے لئے بھی اور اپنے لیے بھی۔

"میں یہ گزرا ایک دن بھول جانا چاہتی ہوں۔"

جہان کو غصہ آنے لگا تھا۔

"تمہیں کبھی میرا خیال آئے تو احسان فراموش جان کر جھٹک دینا۔" اس نے نظر جہان

کے چہرے پر مرکوز کی۔ "اُس اسٹاپ سے اس لمحے تک، سب کے لئے شکر یہ۔"

اس کی جھلملاتی آنکھوں میں اس لمحے تک کا مفہوم صاف نظر آ رہا تھا۔ جس نے جہان

سے احتجاج، التجا، ضد، غصہ اور کوشش، سارے اختیار چھین لیے۔ تعلق اور رشتے کو معنی

محبت اور قربانی سے ملتے ہیں۔ یہ مان کر کل اس نے بڑی آسانی سے فیصلہ کر لیا تھا۔ اور

اس وقت اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس مختصر شناسائی اور تعلق میں اس نے جہان سے کتنی

بڑی قربانی مانگی تھی۔

"چلتی ہوں۔" وہ بڑے ضبط سے مسکرا رہی تھی۔ جہان لحاظ اور احتیاط کی ساری بندشیں

اور دیواریں گرا کر اسے تکیے جا رہا تھا۔

"تمہارے ہونٹوں پہ کانپتی ہے ہمارے کانوں میں گو نجی ہے

جو بات تم نے کہی نہیں ہے جو بات ہم نے سنی نہیں ہوں۔"

"اللہ حافظ۔" شبیج نے آخری نظر اس پر ڈالی۔ وہ پلٹ کر پلیٹ فارم کی طرف چل دی۔

"شبیج۔۔۔" عقب سے جہان نے پکارا لیکن اس نے پلٹ کر دیکھنے کی غلطی نہیں کی۔

ساری سرزمین پر بھی تلاش کیا جاتا تو اس وقت جہان مرزا سے زیادہ بے بس اور کوئی نہیں

ملتا۔ اس کا دل اسے مسلسل اکسار ہاتھا۔

"جاو، رو کو اسے۔"

"تم پابند نہیں ہو۔"

"اس کی مرضی نہیں، تم اپنی چاہ دیکھو۔"

"احمق نہ بنو۔"

"ابھی بھی وقت ہے۔ اس کے علم میں لائے بغیر ہی اس کا پیچھا کرو۔"

"وہ بے وقوف ہے بے خبر نہیں۔"

لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا نہیں تھا۔ اس لمحے تک 'ا کے لئے ادا ہوئے شکر یہ نے اس کے قدم جکڑ رکھے تھے۔ اگر وہ مزید کھڑا ہا تو دل سے بلند ہوتے احتجاج اسے مجبور کر دیں گے۔ یہ سوچ کر وہ شکستہ قدموں سے گاڑی میں آ بیٹھا۔ کتنی ہی دیر وہ اس جگہ کو غلطگی باندھے دیکھتا رہا، جہاں وہ غائب ہوئی تھی کہ شاید وہ پلٹ آئے۔ آخر کو دل میں اٹھتے شور سے گھبرا کر وہ گاڑی آگے بڑھالے گیا۔

مسلسل چھلکتی آنکھیں صاف کرتے ہوئے وہ پلیٹ فارم پر ٹکٹ ونڈو ڈھونڈ رہی تھی۔ جو اسے کہیں نظر نہ آئی۔ لوکل ٹرین کے اس اسٹیشن پر وہ پہلی بار ہی آئی تھی۔ بلا آخر اس نے پلیٹ فارم پر کھڑی خاتون سے پوچھا۔ ٹکٹ ونڈو باہر احاطے میں ہی تھی۔ دوبارہ باہر آنے میں جہان کے وہاں موجود ہونے کا خدشہ تھا۔ پلیٹ فارم پر ہی تھوڑا وقت گزارنے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ چلا گیا ہوگا، وہ باہر آئی۔ اسے وہاں موجود نہ پا کر دل میں اترتی مایوسی پر اسے بہت غصہ آیا۔

ایک ہی کھڑکی کھلی تھی۔ وہاں قطار میں اس سے پہلے ہی چھ، سات لوگ کھڑے تھے۔ وہ بھی قطار میں لگ گئی۔ آگے جب دو ہی لوگ بچے تو اس نے بیگ کی آگے والی زپ کھول کر

پیسے نکالنے کے لئے اندر ہاتھ ڈالا۔ ہاتھ میں آئی نوٹوں سے چھوٹی نوٹ الگ کرنے کے لئے ہاتھ سامنے کیے تو اس کی نظر کلانی پر پڑی۔ وہ جہان کا بامبر جیکٹ پہنے تھی۔

"ہا۔۔۔۔۔ یہ کیسا المیہ ہے؟ میرے اختیار میں ہوتا تو اس کا چہرہ، اس کی باتیں، اس کی آنکھیں، سب اسی لمحے اپنی یادداشت سے غائب کر دیتی۔ اور اب یہ۔۔۔۔۔"

"تو اتار کر یہیں پھینک دو۔"

"ایسا ہی کرتی ہوں۔"

ٹکٹ لے کر پلیٹ فارم پر آئی تو ٹرین لگی تھی۔ اس نے انڈیکس پر وقت دیکھا۔ ٹرین نکلنے میں ابھی وقت تھا۔ وہ لیڈرز کمپارٹمنٹ کے سامنے بیچ پر بیٹھ کر جیکٹ اتار کر کہاں رکھے، سوچنے لگی۔

ٹرین شروع ہونے سے چند سیکنڈ پہلے جب وہ ٹرین میں چڑھی تو جیکٹ ہنوز اس کے بدن پر موجود تھا۔

لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی اس کی نظر دروازے کے دستے میں ٹنگی تھیلی پر پڑی، جس میں ڈیری والا روز صبح دودھ کی تھیلیاں ڈال کر جاتا تھا۔ صفر فجر کی نماز کے بعد ہی تھیلی اندر لے لیتی تھیں۔ لیکن آج ابھی تک دروازہ نہیں کھلا تھا۔ اس نے دروازے کی گھنٹی نہیں بجائی بلکہ ہاتھوں سے دستک دی۔ دوسری طرف صفر جیسے منتظر ہی تھیں۔ وہ اسی حلیے میں تھیں جس میں وہ انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔

"امی۔۔۔" ہاتھ میں پکڑا بیگ دہلیز میں ہی چھوڑ کر وہ صفر اسے لپٹ گئی۔

"شبیخ، میری جان۔۔۔"

زارو قطار رونے کی آواز سن کر نہی بھاگی بھاگی آئی۔ اس کے پیچھے آنکھیں ملتا صفی تھا۔ نہی نے بے دردی سے شبیخ کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔

"کیوں رلا رہی ہو امی کو؟" اس نے اور مضبوطی سے صفر کو پکڑا۔

"لیکن آپ دونوں روکیوں رہی ہیں؟" دہلیز میں پڑا شبیج کا بیگ اور جوتوں سمیت صفورا سے لپٹی شبیج! دیر رات ٹریکنگ سے لوٹ کر بے ہوش ہو کر سویا صفی پوری طرح جاگ گیا تھا۔

"امی۔۔۔۔" ننھی نے صفورا کو پکارا۔ وہ دونوں روئے جا رہی تھیں گویا لفظوں کی جگہ آنسوؤں کے ذریعے گفتگو کر رہی ہوں۔ صفورا نے ہی اسے زبردستی خود سے الگ کیا۔

"بس کرو۔" انہوں نے شبیج آنسو پونچھے جسکی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"اندر چلو۔" اس کے گرد بازو لپیٹ کر وہ اسے لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھیں۔

"کوئی مجھے بھی بتائے گا، چل کیا رہا ہے یہاں؟" صفی نے پہلے دروازے سے غائب ہوتی صفورا اور شبیج کو دیکھا پھر ننھی کو۔

"تم فریش ہو کر آؤ، میں ناشتہ بناتی ہوں۔ اس کے بعد بات کرتے ہیں۔" اس کا جواب سنے بنا ہی وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ صفی جانتا تھا، اس کے پیچھے باورچی خانے میں جانا فضول ہے۔ اب وہ ناشتہ بنانے کے بعد ہی منہ کھولے گی۔ صفورا کے کمرے کے باہر کن

سوئیاں لینا بھی انتہائی غیر اخلاقی حرکت تھی۔ سو اس نے چپ چاپ غسل خانے کا رخ کیا۔

"میں نہیں ملی ان سے امی! "صفورا کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس نے کہا۔

"کیوں؟ وہاں نہیں گئی تو پھر کل پورا دن کہاں تھی تم؟" وہ حیران ہوئیں۔

"میں ان کے گھر تک گی تھی۔ اور وہاں احساس ہوا کہ ان کی جستجو یا ان سے ملنے کی خواہش

نے مجھے یہاں نہیں پہنچایا بلکہ دکھ، غصہ اور جلد بازی مجھے وہاں لائی ہے۔ میری امی آپ

ہیں پھر میں وہاں کس لئے جاتی، اس لئے ان کے گیٹ سے واپس پلٹ آئی۔" ذرا دیر پہلے

تھے آنسو پھر رواں ہو گئے۔

"پھر اب یہ رونا کس لیے؟" صفورا نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"مجھے معاف کر دیں امی۔ بہت بد تمیزی کی میں نے، اور یوں بتائے بغیر رات میں گھر سے

نکلنا بہت بڑی غلطی تھی۔" اس نے صفورا کے ہاتھ تھامے۔ "آپ کو جتنا غصہ ہے، سب

اتار لیں مجھ پر۔ بلکہ بیٹھیں مجھے۔"

"غصہ کیوں ہوں گی میں؟ تم صدمے میں اور غصے میں تھی۔ تمہارا ہر رد عمل فطری اور جائز تھا۔" اس کا احساس جرم اور پچھتاوا پھر عود آیا۔

"سمیرا کے متعلق تمہیں نہ بتانا غلطی اور تمہارے ساتھ زیادتی تھی۔۔۔"

"امی۔۔۔" اس نے احتجاج بلند کیا۔

"آج سن لو بیٹا، پھر اگر تم چاہو تو ہم اس بارے میں دوبارہ بات نہیں کریں گے۔ تم سے راز رکھنے کے پیچھے تمہارے ابو کی سمیرا سے نفرت تھی یا تم سے محبت یا پھر دونوں، جو بھی تھا، انہوں نے سارے خاندان سے وعدہ لیا تھا کہ تم سے کوئی اس کا ذکر نہ کرے۔ سمیرا تمہاری دادی کی پسند تھی۔ وہ گھر میں سب سے چھوٹی، اکلوتی بہن اور اسی لحاظ سے لاڈ پیار میں حد سے زیادہ بگڑی اور ضدی تھی۔ پتا نہیں وہ شادی کے لئے کیسے تیار ہوئی تھی یا پھر زبردستی شادی کی گئی تھی۔ شادی کے بعد اس نے اپنا مزاج، پھر اپنی ناپسند اور پھر چھٹکارا

پانے کی خواہش کو راز نہیں رکھا تھا۔ مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جلد ہی تمہاری خوشخبری ملی۔ تمہارے ابو اور سمیرا، دونوں کی فیملی نے تمہارے دنیا میں آنے تک اسے رشتہ نبھانے پر راضی کیا تھا۔ یہ سب مجھے تمہارے ابو نے بتایا تھا۔ تم نے بالکل ٹھیک کہا

تھا۔ کسی کو بھی حق نہیں تھا کہ تم سے تمہاری جنم دینے والی ماں کو چھپایا جاتا۔ تم کم عمر اور نہ سمجھ تھی تب تک تمہیں نہ بتانا درست تھا۔ لیکن مناسب وقت پر تمہیں اعتماد میں لے کر بتادینا چاہیے تھا۔ اتنی اہم اور اپنی ذات سے جڑی بات کا اس طرح کھلنا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے۔ تمہارے ابو سمیرا کے مزاج اور عمل کی وجہ سے تمہیں اس دکھ اور تکلیف سے بچانا چاہتے تھے۔ اس نیک نیت کے باوجود بھی، تمہیں بے خبر رکھنا صحیح نہیں تھا۔ اور اس غلطی میں تمہارے ابو کے ساتھ میں بھی برابر شامل ہوں۔ تم ہم دونوں کو معاف۔۔۔

"امی۔۔۔۔" وہ تڑپ کر بولی۔ "آپ مجھے اس طرح گنہگار تو نہ کریں۔"

"گناہ ہم سے ہوا ہے بیٹا اور معافی مانگنے کے لئے عمر اور رتبہ نہیں دیکھا جاتا۔"

"نہیں امی، اس سارے معاملے میں کسی کو معافی چاہیے تو وہ میں ہوں"

www.novelsclubb.com

"کوئی معافی وافی نہیں، بس آئندہ خیال رکھنا، کتنا بھی غصہ ہو ایسے آدھی رات کو تنہا گھر

سے نہیں نکلنا۔" صفورا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"کان پکڑتی ہوں، پھر کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گی۔" اس نے باقاعدہ کان

پکڑے۔ "اپنی امی کو چھوڑ کر مجھے کہیں نہیں جانا۔"

"تمہاری اور میری محبت جیسی ہی مسلم حقیقت سمیرا اور تمہارا رشتہ ہے بیٹا۔ اسے جھٹلانے

اور نہ ماننے کی کوشش ایسے ہی بے سود ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ تم میری بیٹی نہیں ہو۔"

صفورہ کی آواز زندہ گئی تھی۔ "جلد بازی میں اور جذباتی ہو کر ابھی کوئی فیصلہ مت کرو۔

خود کو وقت دو مگر اسے سر پر سوار بھی مت کرو۔ آخر میں تم جو بھی طے کرو، ہم سب

تمہارے ساتھ ہیں۔"

"اب مجھے بھی کوئی بتائے گا؟ میں اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتا۔" صفی گیلے بال تولیہ

سے صاف کرتا اندر آیا۔

www.novelsclubb.com
"ہٹوسا منے سے۔" اس کے پیچھے ہی ٹرے لیے نہی برآمد ہوئی۔ صفی نے فوراً ایک طرف

ہو کر اسے جگہ دی۔

"پہلے ناشتہ کر لیں امی۔" اس نے صفی کو اشارے سے تپائی پلنگ کے سامنے رکھنے کو کہا۔
صفی نے فوراً تعمیل کی۔

"امی نے کل سے کچھ نہیں کھایا ہے۔" ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے اس نے کڑی نظروں سے شبیع کو گھورا۔

"امی۔۔۔" اسے شدید ندامت نے گھیرا۔

"ہاں لاؤ، بڑی بھوک لگی ہے۔"

شبیع نے آملیٹ اور روٹی کی پلیٹ اٹھا کر صفورا کے سامنے رکھی۔ یہ ان کا پسندیدہ ناشتہ تھا۔ اسے کل کے باسی پلاؤ کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ نہی نے اس کے ہاتھ پر چپت لگائی۔
"گندی! پہلے منہ ہاتھ تو دھولو۔" وہ خاموشی سے ہاتھ دھونے اٹھ گئی۔ ابھی اسے منانے کا مرحلہ باقی تھا سوا سے چھیڑنا عقلمندی نہیں تھی۔

"مزید سسپنس میری برداشت کے باہر ہے۔" صفی نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اعلان کیا۔

"مجھ سے پہلے تمہارے ابو کی شادی سمیرا سے ہوئی تھی۔۔۔" کھاتے ہوئے صفورا نے بڑے سکون سے شروعات کی۔ گرما گرم چائے چھلک کر صنفی کے پیروں پر گری۔ حیرت اور صدمے کے مارے باوجود تکلیف کے اس کے منہ سے آواز ہی نہیں نکلی۔

"اب کچھ کہیں بھی۔۔۔" پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اس کی زبانی ساری روداد سننے اور سارے سوال جواب کے بعد، اب وہ اسے گھورے جا رہی تھیں۔

"اچھی طرح سوچ لے۔ یہی ایک بات ہے یا اور بھی چھپا رکھے ہیں؟"

"قسم لے لیں ماما۔۔۔ یہ بھی کوئی کارنامہ نہیں تھا اسی لئے نہیں بتایا، بلکہ اسی لئے آپ بے خبر رہیں۔"

www.novelsclubb.com

"تو نے صاحبہ والی بات بتا کر میری ماؤں والی حس مشکوک کر دی ہے۔"

"میری پیاری ماں۔" جہان نے تسمیہ کے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھے "اپنی صلاحیت پر شک نہ کریں۔ صاحبہ آپ کے رڈار تک اس لئے نہیں پہنچ سکی کیوں کہ وہ میرے دل کی ریخ

سے باہر ہی تھی۔ اور اب رحم کریں اس بھوکے پر۔ کچھ کھانے کو دیں۔ "گھر پہنچ کر وہ نہانے کے بعد بے خبر سو گیا تھا۔ اس کے جاگتے ہی تسمیہ اس کی کلاس لینے آگئی تھیں۔

"ہاں چل۔۔۔" وہ جو دونوں پیر سمیٹ کر بیٹھی تھیں، پیر نیچے لٹکا کر چپلیں پہننے لگیں۔

"ساتھ میں کھانا کھاتے ہیں۔" پلنگ سے اٹھتے ہی انہیں یاد آیا۔ "اور وہ شبیح۔۔۔ اسے گھر تک چھوڑنے گیا تھا؟" وہ صاحبہ کے ساتھ ہی شبیح کی کہانی بھی سن چکی تھی۔

"نہیں، اس کے کہنے پر پنویل اسٹیشن ڈراپ کیا تھا۔"

"پوچھ تولے، خیریت سے گھر پہنچ گی یا نہیں۔" وہ اس کے روم کا دروازہ کھول کر باہر نکل رہی تھیں۔

"اس نے مجھے اپنا نمبر دیا نہ ایڈریس۔" وہ بھی ان کے پیچھے تھا۔

"ایسا کیوں؟" وہ دروازے کے باہر ہی رک گئیں۔

"وہ کل کا دن، واقعات، لوگ کچھ یاد نہیں رکھنا چاہتی۔"

"ہممم۔۔۔ اتنی سی عمر اور۔۔۔" وہ وہیں کھڑی افسوس کرنے لگیں۔

"مما، کھانا۔۔۔"

"ہاں چل چل۔۔۔۔ تیرے لئے میں بھی اب تک بھوکے ہوں۔"

اس نے صفورا تک عمران کے لئے اپنی ہاں پہنچادی تھی۔ نئی کے آگے ہاتھ جوڑ کر سوری کہنے کی دیر تھی، وہ اس کے گلے لگ کر رو پڑی۔ اس انکشاف سے اسے بھی اتنا ہی صدمہ اور دکھ پہنچا تھا جتنا شبیع کو۔ شبیع نے آنسو بہائیں، بول کر بھڑاس نکالی اور پھر غصے میں گھر سے نکل گئی۔ لیکن نہیں کچھ نہ کر سکی تھی۔ وہ صرف شبیع کو اپنا غصہ دکھا اور جتا سکتی تھی سو وہی کر رہی تھی۔ صفی کی غیر موجودگی میں، صفورا کی خاطر اس نے اس وقت خود کو سنبھال لیا تھا۔

www.novelsclubb.com

شبیع نے صاحبہ والا حصہ نکال کر جہان کے متعلق ان تینوں کو سب بتا دیا تھا۔ صفورا نے فوراً ہی اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے فون نمبر مانگا۔ فون نمبر نہ ہونے کا قصور اپنی یادداشت کے سر لگانا اس کے لیے بڑا آسان تھا۔

نہی کی سا لگرہ تھی۔ عموماً وہ چاروں گھر میں ہی منالیا کرتے تھے۔ لیکن آج بڑی پھوپھو اپنی بیٹی لائے کے ساتھ اس جشن میں شریک تھیں۔ کیک کاٹنے کے بعد بقول لائے ان سب کا 'فوٹو سیشن' چل رہا تھا۔

"شبیج، میرے ساتھ آؤ ذرا۔" صفورا باورچی خانے میں گیس تو بڑی پھوپھو نے اس سے کہا۔

"ہاں آپ دونوں جائیں، بہت فوٹوز ہو گیس آپ کی۔ اب صرف نہی باجی کی باری۔" چودہ سالہ لائے کو گلابی سی، باربی ڈول جیسی نزاکت اور اسٹائل والی اپنی یہ باجی بڑی بھاتی تھی۔

"چلیں پھوپھو۔" اسے لگا وہ عمران کے بارے میں کوئی بات کریں گی۔

www.novelsclubb.com
"تمہیں سمیرا کے متعلق کس نے بتایا؟" کمرے میں پہنچتے ہی پھوپھو نے جو سوال کیا، وہ بالکل غیر متوقع تھا۔

"تم اس سے ملنے گئی تھی نا؟" اسے حیرت زدہ دیکھ کر پھوپھو نے جیسے وضاحت کی۔

"لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"مطلب یہ صحیح ہے۔" پھوپھو نے رازداری سے کہتے ہوئے ادھ کھلے دروازے کی طرف دیکھا۔

"مجھے سمیرا کا فون آیا تھا۔ اسے خبر ملی کہ ممبئی سے کوئی لڑکی اس کا پتہ پوچھتی، اس سے ملنے آئی تھی۔ اس نے لڑکی کا جو حلیہ بتایا وہ تمہارا ہی تھا۔"

"ہاں، میں ہی گئی تھی۔"

"پھر اس سے ملی کیوں نہیں؟ میرے پاس اس کا نمبر اور۔۔۔"

"پھوپھو، مجھے ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"دلچسپی کیسے نہیں؟ شبیج وہ بہت رور ہی تھی۔ تم مل لو اس سے۔ مجھے تو بہت رحم

آیا۔۔۔"

"آپ ان سے ملیں، بات کریں، رحم کھائیں، جو مرضی کریں لیکن مجھ سے ان سب کی

امید نہ رکھیں۔" اس نے سرد سپاٹ لہجے میں کہا۔

"صفور کی فکر نہ کرو۔ وہ کچھ نہیں کہے گی۔ سمیرا آخر کوماں۔۔۔۔۔"

"پھوپھو! اس کی آواز اور لہجہ خود بخود سخت ہو گیا تھا۔" اتنے سالوں وہ جس طرح بے خبر

اور خاموش رہی ہیں، ان سے کہیں اب بھی وہی کریں اور آپ بھی اس کے بعد اس

موضوع پر مجھ سے کبھی بات نہ کریں۔" وہ غصے میں اٹھ کر باہر نکلی تو دروازے پر ہی لائے

کھڑی تھی۔ وہ شبیع کا اچھے کیمرے والا فون لینے آئی تھی۔ اسے نہی اور شبیع کی رنگت

کے تضاد پر ہمیشہ حیرت ہوتی تھی۔ آج اس کی وجہ سمجھ آگئی تھی۔ شبیع نے باورچی خانے

میں جا کر صفورہ کو اپنی اور پھوپھو کے درمیان ہونے والی گفتگو کا بتایا۔ صفورہ فوراً پھوپھو

کے پاس بھاگیں۔ کچھ دیر بعد دونوں باہر نکلیں تو پھوپھو کا مزاج بحال تھا۔ لائے اور نہی

کے ساتھ صفی اور شبیع کو بھی سیلفی اور تصویریں لیتے دیکھ انہیں یاد آیا۔

"نزہت نے اپنے بیٹے کا نمبر دیا ہے۔ اسے شبیع کی اچھی اچھی دو تین تصویریں بھیج دو۔"

"امی میں سینڈ کرتی ہوں۔ شبیع باجی کی فوٹوز تو فلٹریوز کر کے بھیجی پڑے گی۔" اس نے

ابھی ابھی لی گئی تصویروں کو اسکرول کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی نہیں۔ ہماری شبیج بنا فلٹر کے ہی بجلیاں گراتی ہے۔" نہیٰ نے پیچھے سے اس کے گلے میں ہاتھ ڈالا۔

"کتنا بھی مسکا لگاؤ، تمہیں گفٹ میں وہ ہینڈ بیگ نہیں ملے گا۔"

"کونسا ہینڈ بیگ؟ فکر نہ کریں نہیٰ باجی میری طرف سے گفٹ میں وہ ہینڈ بیگ پکا۔"

"لو، بن گیا تمہارا کام!" شبیج نے فون میں مگن تصویروں کا انتخاب کرتی لائبریری کو دیکھ کر کہا۔ سبھی اس کی نہیٰ کے لیے خاص اُنسیت سے واقف تھے۔

"شبیج، تم شادی کر کے اتنی دور چلی جاؤ گی پھر؟" پھوپھو کو خیال آیا۔

"کہاں اتنی دور؟ مڈل ایسٹ ہے۔ یورپ یا امریکہ نہیں۔" صفیٰ نے کہا۔

"ویسے شبیج کو تو یہیں امی کے قریب رہنا تھا۔ ملک کے باہر جانے کی خواہش تو میری تھی۔" نہیٰ نے مصنوعی اداسی طاری کی۔

"فکر نہ کریں۔ آپا، آپ نہیٰ کے لئے بھی وہیں کوئی بندہ ڈھونڈ لینا۔ پھر میرے اور امی کے

یہاں مزے ہی مزے۔"

"صرف نہی ہی کیوں، اللہ نے چاہا تو شبیح سب کو اپنے پاس ہی بلا لے گی۔" پھوپھو نے اپنی طرف سے سب کو تسلی دی۔

"ابھی کچھ طے ہوا نہیں اور آپ سب خیالی پلاؤ بنانے لگیں۔" شبیح نے کہا۔

پھر جلد ہی نزہت آنٹی سب طے کرنے آگئیں۔ اور وہ جو سب ٹھان کر بیٹھی تھی، موقع ملتے ہی نزہت آنٹی کے روبرو کہہ ڈالا۔ اسے یقین تھا امی یا کسی اور سے یہ سب کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے اس معاملے میں آخری فیصلہ جسے کرنا تھا اس نے سیدھے اسی سے بات کی۔ اور جیسے وہ اتنے دنوں سے مسلسل دعا مانگ رہی تھی، نزہت آنٹی مان گئیں۔ نہ بارات، نہ کوئی فنکشن، نہ ناچہیز، صرف سادگی سے نکاح۔

"تمہاری بات سن کر مجھے اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہو رہا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ایسی سمجھدار اور سلجھی ہوئی بیٹی اور بہو ملی ہے۔" اس کی بات سن کر نزہت آنٹی نے کہا تھا۔

کمال تو یہ تھا کہ صفورا سے سادگی سے نکاح کی بات کرتے ہوئے انہوں نے شبیچ کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔

"شبیچ۔۔۔۔۔" وہ کان پر ہاتھ رکھ کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی یہ پکار اسے سونے نہیں دیتی تھی۔

"کل سے میں نیچے بستر ڈال کر سوؤں گی۔" ننہی نے اس کی طرف کروٹ لے کر دانت پیسے۔

"پیس لگی تھی اس لئے آنکھ کھل گئی۔" اس نے ڈھانک کر رکھا گلاس اٹھایا اور ایک گھونٹ لے کر واپس رکھ دیا۔

www.novelsclubb.com

"سو جاؤ۔" وہ ننہی کی طرف پشت کر کے دوبارہ لیٹ گئی۔

"الماری کے اوپر والے خانے میں رکھا جیکٹ کس کا ہے؟" چند لمحے اس کی پشت کو گھورنے کے بعد نہیٰ نے فیصلہ کرتے ہوئے اس سے پوچھ ہی لیا۔ اور شبیح کی سانسیں تھام گئیں۔

"تمہارے پاس واقعی اس کا نمبر نہیں ہے؟" شبیح کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے نیا سوال کیا۔

"ہمم۔۔۔۔"

"اور اس کے پاس تمہارا نمبر؟"

"نہیں۔"

"تم نے عمران کے لئے ہاں کیوں کہا؟"

"یہ رشتہ امی کو بہت پسند تھا۔"

"امی کے لئے اپنی پسند سے زیادہ اہم تمہاری خوشی ہے۔"

"امی کی پسند ہی میری خوشی ہے۔" نہیٰ کا دل کیا، جم کے ایک گھونسہ مارے اس کی پیٹھ پر۔

"پھر سکون سے سوتی کیوں نہیں ہو۔"

"تم اپنی بکو اس بند کرو تو میں سوؤں۔"

"ساری کہانی میں تم نے جو بات چھپائی ہے، وہ بتادو تو مجھے بھی نیند آجائے۔" اور خلاف امید شبیع نے صاحبہ اور 'فیانسے' والا حصہ بتا دیا۔ نئی اکتی ہی دیر چت لیٹی چھت کو دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"اب بھی وقت ہے۔ میں امی سے بات کرتی ہوں۔"

"کیا بات کرو گی تم؟" شبیع جھنجلا کر اٹھ بیٹھی۔

"یہی کہ ماں کی تلاش میں نکلی آپ کی بیٹی اپنا دل راستے میں کھو آئی ہے۔"

"کچھ نہیں کھویا ہے میرا۔" www.novelsclubb.com

"انگلیوں پر گنوا سکتی ہوں کیا کیا کھویا ہے تمہارا۔ نیند، سکون، قرار۔۔۔۔۔"

"نہی۔۔۔۔۔" اس نے اس عاجزی سے ٹوکا کہ نہی نے منہ بند کر لیا۔ وہ دوبارہ اپنی سابقہ

حالت میں لیٹ گئی۔

"اس کا نمبر کیوں نہیں لیا تم نے بے وقوف؟" "نہی زیادہ دیر چپ نہیں رہ سکی۔"

"میں نے عمران کے لیے ہاں کہنے کا من بنا لیا تھا۔"

"سمیرا کے ذکر پر تم نے امی سے جو بد تمیزی کی تھی، اس کے ازالے کیلئے تمہیں اتنی بڑی قربانی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" "نہی کی صاف گوئی پر اس کا دل بھی پل بھر کو ڈگمگایا۔"

"کوئی قربانی نہیں۔ یہ میرا نصیب ہے۔"

"سو ہی جاتی ہوں میں کیوں کہ تمہاری ہر فضول بات پر میرا غصہ بڑھتا جا رہا ہے۔" "نہی! دھاڑ سے اپنی جگہ لیٹی۔"

"ہاں تو سو جاو۔" "شبیچ نے سر تک چادر تانی۔"

"تم بے وقوف ہی نہیں، بے رحم اور ظالم بھی ہو۔" "جہان کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے۔ آنسو چپکے چپکے تکیہ بھگونے لگے تھے۔"

ایک اور ناکام دن گزار کر وہ تھکا ماندہ گھر لوٹا تھا۔ ڈرائنگ روم میں ٹی وی دیکھ رہے ابو کو سلام کر کے وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا تھا۔ دروازہ کھول کر اندر قدم رکھتے ہی اس کا دل کیا سرپیٹ واپس باہر دوڑ جائے۔ کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی تسمیہ اسے دیکھ چکی تھیں۔

"میری ماؤں والی حس اور رڈار سب ٹھیک کام کر رہے ہیں۔" اسے دیکھتے ہی وہ شروع ہوئیں۔

"ان سب کی جگہ اس کا نمبر اور ایڈریس لے آتے۔" تسمیہ نے پلنگ کی طرف اشارہ کیا۔ شبیح کا پہنا ڈریس، سرخ دوپٹہ، سینڈلز، اور جھمکوں کے ساتھ وہاں یلوچٹ اور شبی، شبیح لکھا ٹیشو پیپر بھی تھا۔ جہان نے اپنی دانست میں یہ سب کچھ بڑی اچھی طرح سے چھپا دیا تھا۔

www.novelsclubb.com

"پسند تو اچھی ہے اس کی۔" تسمیہ نے ایک جھمکا اٹھایا۔ "ویسے یہ اس کی پسند ہے یا تمہاری؟" اس کا اتر چہرہ دیکھ کر انہوں نے اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی۔

پچھلے کئی دنوں میں اس کے بدلے میں مزاج اور خاموشی کو سب ہی نے محسوس کیا تھا۔ آج وہ اپنے شک کی تصدیق کے لئے اس کے کمرے میں موجود تھیں۔ وہ خاموشی سے پلنگ کے کنارے پر ٹک گیا۔ تسمیہ اور اسکے بازو میں آبیٹھیں۔

"کیوں خاموش رہے اتنے دن؟ کہا کیوں نہیں؟"

"ایسا کیسے ممکن ہے ماما؟ صرف چند گھنٹوں کا ساتھ اتنا ضدی اور طاقتور کیوں ہے؟" وہ الجھا بکھرا ماں سے پوچھ بیٹھا۔

"ایسے مجنوں نہ بنو۔" تسمیہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بال سنوارے۔ "تلاش کرنے پر خدا بھی مل جاتا ہے یہ تو پھر ایک لڑکی ہے۔"

"آپ کو کیا لگتا ہے۔۔۔ میں صبح سے شام کہاں بھٹک رہا ہوں؟"

"تمہیں واقعی کچھ نہیں معلوم؟"

"نہیں ماما۔"

"ساوتھ ممبئی میں ہے، سٹی میں یا سبرب میں، اتنا تو پتہ ہوگا؟"

"یہ بھی نہیں پتہ۔"

"کیا ہو گیا تھا تمہاری عقل کو؟" انہوں نے بال سنوارتے ہاتھوں سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"پتھر پڑ گئے تھے۔" وہ آزر دگی سے مسکرایا۔

"یاد کرو، اس نے باتوں باتوں میں کچھ کہا ہو گا۔"

"سب یاد ہے ماما۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اس کی امی کا کوچنگ سینٹر ہے، بس! نام، علاقہ نہیں معلوم۔"

"تصویر بھی نہیں ہے؟" تسمیہ کی بات پر جہان نے جیب سے فون نکالا اور شبیح کی کھنڈر سے لی ہوئی ساحل والی تصویر ان کے سامنے کی۔

"اتنی دور سے کیا خاک دیکھوں۔" دو تین تصویریں دیکھنے کے بعد وہ بولیں۔ جہان نے انگلی سے مزید کچھ تصویریں بائیں طرف دھکیلیں، جب تک کہ شبیح کا کلوز اپ سامنے نہیں آ گیا۔ یہ واپسی میں بے خبر سوراہی شبیح کی تصویر تھی۔

"ماشاء اللہ! ہے تو بڑی پیاری!" گال کے نیچے ہتھیلی رکھے، کروٹ لے کر سوئی شبیچ کے چہرے پر گہری نیند کا تاثر تھا۔

"اب اسے اخبار میں چھپوا کر اعلان کرنے سے تو رہے۔" بغور دیکھنے کے بعد انہوں نے فون جہان کو واپس کیا۔ جہان نے اسکرین کی طرف دیکھے بغیر ہی فون بستر پر ڈال دیا۔ وہ ماں کے سامنے اپنی بے اختیاری اور بے خودی بے نقاب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"اہمت پکڑو بیٹا جی۔ کوشش کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی سراغ مل ہی جائے گا۔" وہ اٹھ کر پھیلا سامان تھیلیوں میں ڈالنے لگیں۔

"اس نے کہا اور تم مان کیسے گئے؟ گاڑی چھوڑ کر ٹرین سے اس کا پیچھا کرتے۔ ٹکٹ ونڈو جا کر ہی پتا کر لیتے کہاں کی ٹکٹ لی ہے۔ ابھی ڈھونڈنے میں آسانی تو ہوتی۔" ہاتھوں کے ساتھ ساتھ ان کی بات بھی جاری تھی۔

وہ خود بھی یہی سوچ سوچ کر ہر پل خود کو گالیاں دے رہا تھا۔

جس دن نزہت آنٹی اور انکل نکاح کی تاریخ طے کرنے آئے اس دن امی نے سبھی کو مدعو کیا تھا۔ دادی، نانا، نانی، تایا، چاچا، دونوں پھوپھو، خالہ اور ماموں۔ دادی ان سب کے اصرار پر نکاح تک رکنے تیار ہو گئی تھیں۔ ورنہ وہ تایا کے علاوہ کسی کے گھر نہیں ٹھہرتی تھیں۔ مقام اور مکان بدلنے پر انہیں نیند نہیں آتی تھی۔ عمران نکاح سے دو دن پہلے آنے والا تھا۔ صرف نکاح سادگی سے تھا۔ عمران کی طرف ساری رسومات اور ولیمہ کی تیاریاں بڑے زوروں پر چل رہی تھی۔ وہ اکلوتی اولاد تھا۔ سارے ارمان اسی ایک شادی میں پورے کرنے تھے۔

سب کے سامنے ہنستی مسکراتی شبیح کا نائک نئی کے سامنے نہیں چلتا تھا۔ اب بھی بڑی دیر سے موبائل میں دیوار پہ بنی بیگ اور جیب کی تصویر دیکھتی شبیح پر وہ بھڑک اٹھی تھی۔

"خدا کا واسطے شبیح ذرا سوچو، امی کو جب تمہاری اس حماقت کا علم ہو گا تو تمہیں اندازہ بھی ہے، کتنا دکھ ہو گا انہیں؟"

"تم کوئی حماقت نہ کرو تو امی کو کبھی علم نہیں ہو گا۔"

"مجھے تمہارے اس فیصلے کی لوجک ہی سمجھ نہیں آتی؟" شبیح چپ رہی۔

"ابھی بھی وقت ہے تمہارے پاس۔"

"اور تمہارے مطابق کیا کرنا چاہیے مجھے اس وقت میں؟"

"اس شادی سے انکار کر دو۔"

"مانو کر دیا پھر؟"

"پھر۔۔۔؟" اس کے خلاف توقع جواب پر وہ بھی سوچ میں پڑ گئی۔ "زبردستی کی شادی کا

پچھتاوا نہیں ہوگا تمہیں۔"

"اس شادی سے انکار کر کے کس سے کروں شادی؟ جو تمہارے ذہن میں کلبلا رہا ہے اس

کے نام کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں پتا۔ تم کیا چاہتی ہو، اس کی تلاش میں نکلوں یا اس کا

انتظار کروں؟ کس امید پر؟ کس آسے پر یہ شادی نہ کروں؟" وہ ذرا اٹھہری۔ "نہی، اس

الجھن سے نکلنے میں میری مدد کرو، مجھے اسے بھولنے کی تلقین کرو۔ میرے لئے دعا کرو۔"

بار بار اس کا ذکر کر کے مجھے مزید اس کی طرف مت دھکیلو۔" بولتے بولتے وہ رو پڑی۔ نہی نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"سوری شبیح۔"

"جہان۔۔۔۔" دھاڑ سے دروازہ کھول کر تسمیہ اندر آئیں۔ وہ جو بیدار ہونے کے بعد سے فون ہاتھوں میں لیے اس کی تصویر میں گم تھا، اس اچانک حملے پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس سے قبل ایسے دستک دیئے بغیر وہ کبھی اس کے کمرے میں نہیں آئی تھیں۔

"تمہیں اس کی امی کا گھر تو پتہ ہے نا، شبیح جن سے ملنے کے لئے گئی تھی؟" وہ بڑے جوش میں نظر آرہی تھیں۔

www.novelsclubb.com

"ہاں۔۔۔۔"

"تم وہاں جا کر ان سے شبیح کے ابو کا ایڈریس حاصل کر سکتے ہو۔" وہ بڑی دور کی کوڑی لائی تھیں۔

'ہاں۔۔۔۔ یہ ہو سکتا ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔' "تسمیہ کا سارا جوش اس میں منتقل ہو گیا تھا۔

"کوئی لیکن ویکن نہیں۔ اس کی امی کا نام معلوم ہے اور مکان بھی، فوراً تیاری پکڑو بلکہ میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔"

"یہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا؟" وہ اپنی کند ذہنی پر حیران ہوا۔

"اب اٹھ بھی جاو، سوچ کیا رہے ہو؟" تسمیہ نے اس کے اوپر سے چادر کھینچی۔

"جلدی نکلیں گے تورات تک واپس آجائیں گے۔ میں ان تینوں کوناشتے سے فارغ کرتی ہوں، تب تک تم تیار ہو جاو۔" وہ اسے حکم دے کر چلی گئیں۔

وہ چھلانگ لگا کر بستر سے نکلا تھا۔ بڑی پھرتی سے تیار ہو کر باہر آیا تو ناشتہ کرتے ابو، ارش

اور شبان نے آج پردہ داری کا دکھاوا بالائے طاق رکھ کر اسے خوب چھیڑا اور وہ صرف

مسکراتا رہا۔ جسے وہ بڑا سنبھال رہا تھا وہ دراصل راز تھا ہی نہیں۔

وہ ماما کو جلدی آنے کا کہہ کر نیچے چلا آیا۔ شہر سے باہر جانے کے لیے وہ کار کی جگہ زایلو ڈرائیو کرنا پسند کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ روز آنہ گاڑیوں کی دھلائی کرنے والے واچ مین سے پیروں کی جگہ بچھے میٹس جھٹکنے کا کہہ کر ماما کا انتظار کر رہا تھا۔

"صاب جی، یہ کالج کام کا ہے یا پھیک دوں؟" واچ مین نے میٹ کے نیچے پھنسا کاغذ نکال اسے دکھایا۔ فون پہ جھکے جہان نے دیکھے بغیر ہی کاغذ ہاتھ میں لیا۔ فون بند کر کے جیب میں ڈالنے کے بعد اس نے وہ چر مرایا کاغذ کھولا۔ وہ پمفلٹ تھا، کوچنگ سینٹر کا پمفلٹ! اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اس پر مسز صفورا افتخار شیخ کا فون نمبر اور کوچنگ سینٹر کا ایڈریس تحریر تھا۔ شبیح نے جب اپنا بیگ سیٹ پر الٹ دیا تھا وہ یقیناً اس وقت نیچے گرا تھا اور اس کی خوش قسمتی کہ اب تک وہیں پڑا رہا تھا۔ اسے واچ مین پر بڑا پیار آیا۔ اس نے اسے پانچ سو کانوٹ بخشش کر طور پر دیا اور تسمیہ کو کال لگاتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

"مما اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایڈریس مل گیا۔۔۔ ہا ہا ہا۔۔۔ گاڑی میں، اسکی امی کے کوچنگ سینٹر کا پمفلٹ ہے۔۔۔ نہیں، میں نکل رہا ہوں۔۔۔ آپ کو اگلے چکر میں لے چلوں گا۔۔۔ ہاں۔۔۔ دعا کریں۔۔۔ اللہ حافظ۔"

اس نے فون رکھ کر گاڑی رستے پر ڈالی تو وہ گنگنار ہاتھا۔

"ایک تو تمہاری یہ عادت! "صفورا نے ہزار دفعہ کہا جملہ پھر دہرایا۔
"سچ کہہ رہی ہوں امی، مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں نے رات میں اتار کر یہاں تپائی پر ہی رکھی تھی۔" نزہت آنٹی نے جو انگوٹھی اسے پہنائی تھی، وہ صبح سے مل نہیں رہی تھی۔
"ضرورت کیا تھی نکالنے کی؟"

"مل جائے گی امی۔ کہاں جاسکتی ہے، یہیں کہیں ہوگی۔" ننھی نے تپائی اس کی جگہ سے ہٹا کر جائزہ لیتے ہوئے تسلی دی۔

"میں نے سارا کمرہ چھان مارا ہے۔ اب تم دونوں اچھی طرح سے دیکھو۔" وہ باہر چلی گئیں۔

شبیغ پلنگ پر بیٹھی تھی۔ نہیٰ ہی تندہی سے تلاش میں لگی تھی۔ الماری کے سارے خانے اور درازیں دیکھنے کے بعد اس نے الماری کے دروازے میں ٹنگا شبیغ کا بیگ نکالا۔

"تپائی سے چل کر انگوٹھی بیگ میں کیسے پہنچے گی بھلا؟"

"تم اور تمہاری یادداشت! کچھ بھی ممکن ہے۔"

نہیٰ نے پورا بیگ بستر پر خالی کر دیا۔ پھیلے سامان میں ڈھونڈتے ہوئے انگوٹھی اس کے ہاتھ لگی، لیکن وہ نزہت آنٹی والی انگوٹھی نہیں تھی۔

"یہ۔۔۔۔۔" اس نے انگوٹھی ہاتھ میں پکڑ کر شبیغ کے سامنے کی اور وہ اچھل پڑی۔

"یہ کہاں ملی تمہیں؟" شبیغ نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی لینا چاہی، لیکن نہیٰ نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

"تمہارے بیگ سے نکلی ہے۔"

"یہ وہ رنگ ہے جو میں نے صاحبہ کے فنکشن میں پہنی تھی۔ مجھے لگا تھا کہیں راستے میں گر گئی ہے مگر یہ تو میرے بیگ میں ہی گری تھی۔" ننہی بڑے غور سے معائنہ کر رہی تھی۔

"چھوڑو بھی، ایمپٹیشن ہے۔" شبیح نے اسکے ہاتھ سے انگوٹھی تقریباً چھینی۔

"آنکھوں والی اندھی! یہ اصلی ہے، ریل ڈا۔۔۔۔۔" دروازے کی گھنٹی کی آواز پر اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔

"دیکھو۔" اس نے شبیح سے کہا اور خود بستر پر بکھرا سامان بیگ میں ڈالنے لگی۔ شبیح اس انکشاف پر حیران دروازہ کھولنے باہر نکلی اور دروازہ کھولتے ہی ہاتھ سے انگوٹھی اور زبان بے اختیار پھسلے تھے۔

"جہان۔۔۔۔۔" پہلی بار اس نے بہ آواز بلند اس کا نام لیا تھا۔ جہان کی پچھلے دنوں کی کوفت، تھکن، اداسی سب وصول ہو گئی تھی۔

"شبیح۔" وہ مسکرا رہا تھا اور شبیح پتھر کی ہو گئی تھی۔

وہ ایک دن از آسیہ رئیس حنان
www.novelsclubb.com

"مل گئی انگوٹھی!" "نہی اندر آئی اور دروازے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹھک گئی۔ جہان نے نہی کو سلام کیا تو جیسے پتھر میں جان پڑی۔

"وعلیکم اسلام۔" "نہی دروازے کے قریب آئی۔ جہان نے جھک کر اس کے قدموں میں گری انگوٹھی اٹھائی۔

"کون آیا ہے؟" گھنٹی کی آواز سن کر صفورا بھی باہر آئیں۔

"اسلام علیکم۔" جہان نے وہیں سے صفورا کو سلام کیا۔ صفورا نے جواب دے کر نہی اور شبیح کو سوالیہ نظر سے دیکھا۔

"امی یہ جہان ہیں۔" نہی کے تعارف پر جہان اور شبیح دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ کیسے پہچان گئی تھی؟

www.novelsclubb.com

"ارے! آؤناں بیٹا اندر، وہاں کیوں کھڑے ہو؟" وہ خوش دلی سے بولیں۔ شبیح نے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کی جگہ دی۔ اسے صوفے پر بٹھا کر وہ اس کے سامنے صوفے کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"میں خود تم سے مل کر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی، لیکن شبیج تمہارا نمبر لینا ہی بھول گئی تھی۔ اچھا ہوا تم خود ہی آگئے۔ شبیج کی مدد کرنے کے لئے میں بہت ممنون ہوں بیٹا تمہاری۔"

"آپ شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہی ہیں آنٹی۔ ان حالات میں وہ میرا فرض تھا۔"

"آجکل ایسے فرض شناس لوگ کہاں! اور تمہاری عمر کے نوجوان تو بالکل نہیں۔ تمہارے ساتھ ساتھ اس کا سہرا تمہارے والدین کے سر بھی جانا چاہیے۔" وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"بیٹیا پانی تو پلاؤ۔" انہوں نے صوفے کے پیچھے کھڑیں شبیج اور نہی کو مخاطب کیا۔

"ابھی لائی۔" شبیج باورچی خانے کی طرف بڑھی۔

"شبیج۔" جہان کی آواز میں وہ سہم کر پلٹی۔

"یہ رنگ دروازہ کھولتے وقت گر گئی تھی۔" اس نے کھڑے ہو کر انگوٹھی والا ہاتھ آگے کیا۔ شبیع نے بڑھ کر ہتھیلی کھول کر آگے کی۔ جہان نے انگوٹھی اس کی ہتھیلی پر رکھ دی۔ صفورا کے چہرے کی الجھن دیکھ کر نہی جلدی سے بولی۔

"رنگ مل گئی ہے امی۔" اس نے نزہت آنٹی والی انگوٹھی سختی سے اپنی مٹھی میں بند کی تھی۔

"شکر ہے! ہماری شبیع کی عادت ہے چیزیں گم کرنے کی۔" وہ ہلکے سے ہنسیں۔ جہان دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ایک گلاس پانی لانے میں اتنا وقت لگایا کہ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو صفورا اسے پھٹکارنے کے لئے باورچی خانے پہنچ گئی ہوتیں۔ نہی جان بوجھ کر وہیں کھڑی رہی۔ اس کے پیچھے نہیں گئی تھی۔ بڑی دیر بار وہ واپس آئی تو پانی کے گلاس کے علاوہ کافی بھی ساتھ تھی۔

"پرسوں شبیع کا نکاح ہے۔" جہان کو کافی کامگ پکڑتا اس کا ہاتھ بری طرح لرزہ، اندر سے خود بھی لرزتے جہان نے فوراً نگ تھام لیا تھا۔ پل بھر کو اس کا دل بھی بند ہوا تھا۔ پھر خیال آیا کل کا پورا ایک دن باقی ہے ابھی۔

"اپنی فیملی کو لے کر ضرور آؤ۔ بلکہ مجھے اپنی امی کا نمبر دے دو، میں خود انہیں انوائٹ کرتی ہوں۔"

"وہ بھی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"امی آپ کا فون بج رہا ہے۔" ننھی نے اندر سے آتی آواز کی سمت توجہ دلائی۔

"تم بیٹھو بیٹا، میں فون سن کر آتی ہوں۔" وہ اندر چلی گئیں۔

ننھی نے پیروں کے انگوٹھوں کو گھورتی شبیح کو شانوں سے پکڑ کر امی کی جگہ بٹھایا۔

"تم دونوں باتیں کرو، میں ابھی آئی۔"

"کیسے۔۔۔؟" اس کے جانے کے بعد شبیح نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"تمہاری چیزیں گم کرنے والی عادت!" اس نے جیب سے پمفلٹ نکال کر کافی ٹیبل پر

رکھا۔ "افسوس یہ ہے کہ یہ اتنے دن بعد مجھے آج گاڑی میں ملا۔"

وہ پھر گردن جھکا کے انگلیاں مروڑنے لگی۔ اسے دیکھتے ہی اس کے چاروں طرف صاحبہ

کی باتیں گونج رہی تھیں۔

"وہ جن نظروں سے تمہیں دیکھتا ہے، ایسی ایک نظر بھی اس نے کبھی مجھ پر نہیں ڈالی۔"

"وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ بہت لکی ہو تم۔"

"میں کل ماما کو لیکر آؤں گا۔" جہان کی نظروں نے پل بھر کے لیے بھی اس کا چہرہ نہیں

چھوڑا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔۔" جو اس نے نہیں کہا تھا، وہ سمجھ کر اس نے گھبرا کر سر اٹھایا۔

"میں تمہاری سننے کا پابند نہیں ہوں۔ ایک بار غلطی ہو گئی، اب نہیں ہوگی۔" استحکام اس

کے لہجے اور لفظوں میں ہی نہیں، اس کے چہرے پر بھی لکھا تھا۔

"پلیز جہان۔۔۔۔۔" اس کی آنکھیں بھرا آئیں۔ اس لمحے جہان نے جانا کہ یہ 'جہان'

سننے کے لیے وہ ایک جہان قربان کر سکتا ہے۔

"سوری بیٹا۔ ضروری فون تھا۔" صفورا اور اس کے پیچھے نہی واپس آئیں۔ شبیج آنکھیں

رگڑ کر فوراً سنبھلی۔

"میں چلتا ہوں آئی۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "جلد ہی ماما کو لے کر آؤں گا۔"

"بالکل آویٹا۔ اپنا نمبر تو دے دو۔"

جہان نے جیب سے والٹ اور والٹ سے کارڈ نکال کر نہیں اُکودیا۔ شبیج ٹرے اٹھا کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ جہان کے چلے جانے کا یقین کرنے کے بعد اس نے سلیب پر رکھی انگوٹھی اٹھائی اور کمرے آگئی، جہاں نئی دانتوں سے ناخن کاٹتے ہوئے ٹہل رہی تھی۔

"تم سے بڑا گدھا ساری دنیا میں نہیں ہوگا۔" اسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف لپکی۔ شبیج نڈھال سی پلنگ کے کنارے بیٹھ گئی۔

"وہ جیسے تمہیں دیکھتا ہے نا، کوئی اندھا بھی بتا دے گا کہ وہ۔۔۔۔۔"

"خدا کیلئے نہی!" اس نے ہاتھ جوڑے۔ نئی پلنگ پر پیر نیچے لٹکا کر اس کے قریب گرسی گئی۔

"تم نے آسان اور سیدھی سی بات کو اتنا کا ملکیٹیڈ بنا دیا ہے شبیج!" وہ بہت آزرده تھی۔

"وہ کل اپنی ماما کو لے کر آئے گا۔" شبیج نے آہستہ سے کہا۔ نئی کرنٹ کھا کر اٹھ بیٹھی۔

"شکر ہے۔ اسکے پاس دل کے ساتھ ساتھ دماغ بھی ہے اور وہ اسے استعمال بھی

کرتا ہے۔" اس کے طنز پر شبیح نے ناراضگی سے اسے گھورا۔

"مہندی والی کتنے بجے آئے گی؟" ڈرائینگ روم میں کھڑی صفورا نے کھلے دروازے سے

ان دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دوپہر میں آئے گی کہا تھا۔ وقت نہیں بتایا تھا۔"

نئی تم فون کر کے پوچھو اس سے اور اس کے آنے سے پہلے ہی تم دونوں "

"نماز اور کھانے سے فارغ ہو جاؤ۔"

"جی امی۔" شبیح ہی جواب دے رہی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے دروازے کے قریب آکر یونہی بیٹھی نہیں سے کہا۔"

مہندی والی کو فون کرو اور پھر میرے ساتھ چلو۔ بازو والے فلیٹ چیک کر لیں، ٹھیک سے

صفائی ہوئی ہے یا نہیں۔"

اتفاق سے بغل والے دونوں فلیٹ خالی تھے۔ نکاح میں صرف خاندان والے ہی شریک ہونا تھے اور ان کے لئے یہ دو بیڈروم والا مکان ناکافی تھا۔ اس لئے دونوں خالی فلیٹس کا انتظام کیا گیا تھا۔ نہی بے دلی سے اٹھ کر فون لگانے لگی۔

"تم نے لہنگا پہن کر دیکھا؟"

"ہاں امی، پرفیکٹ ہے۔" وہ ماں کو دیکھ کر مسکرائی۔ ان کا جوش اور تیاری اور کل کے لئے جہان کی اطلاع، اس کا دل کر رہا تھا خود کو کہیں غائب کر لے۔

اگلے دن صبح ہی جہان اپنی ماما کے ساتھ حاضر تھا۔

اس وقت گھر میں دادی کے علاوہ خالہ اور چھوٹی پھوپھو اپنے بچوں کے ساتھ موجود تھیں۔ سمیرا کی تلاش میں شبیع کے جانے والی بات صرف بڑی پھوپھو کے علم میں تھی۔ صفوار کے بتانے اور کسی اور کے پوچھنے سے پہلے ہی تسمیہ نے اپنا تعارف صفوار کی دیرینہ سہیلی کے طور پر کروا دیا تھا۔ سب سے ملنے کے بعد وہ نہی کے ساتھ شبیع سے ملنے

اس کے کمرے میں آئیں۔ اسٹائلش سے کاٹن کے ڈریس میں ملبوس وہ دہلی پتلی، خوبصورت اور پروقار سی خاتون جہان جیسے ستائیس اٹھائیس سال بیٹے کی ماں ہر گز نہیں لگتی تھیں۔ کوئی بھی انجان شخص انہیں جہان کی بڑی بہن سے بڑی تسلیم کر ہی نہیں سکتا تھا۔ نہی دروازے سے ہی پلٹ گئی تھی۔

اسکے سلام کے جواب میں انہوں نے اسے گلے لگا لیا۔

"وعلیکم اسلام۔" زرد رنگے سے کپڑوں میں، ابٹن اور مہندی کی مہک میں بسی، اپنے بیٹے کے دل کی مکیں وہ لڑکی انہیں پہلی نظر میں ہی بھاگئی تھی۔

"آنٹی آپ کو جہان کی قسم، آپ امی سے کچھ نہیں کہیں گی۔" اس نے ایک سیکنڈ بھی برباد کیے بغیر ان کے کان میں سرگوشی کی۔ تسمیہ نے اسے خود سے الگ کیا۔

"شبیچ بیٹا۔۔۔۔" وہ اس اچانک فرمائش پر حیران تھیں۔ وہ بڑے پکے یقین اور بیٹے کی

خاطر کسی بھی طرح سب کو منالینے اور کچھ بھی گزرنے کے ارادے سے آئی تھیں۔

انہیں واسطہ پڑنے والی مدافعت کا اندازہ تھا۔ ممکنہ اعتراضات و سوالات اور اس کے

جوابات بھی انہوں نے سوچ رکھے تھے۔ لیکن انہوں نے شبیح کی طرف سے مزاحمت کا نہیں سوچا تھا۔

"آپ ملیں نامی سے، دیکھانہ وہ کتنی خوش ہیں۔ وہ ایک بیوہ اور تن تنہا اس گھر کی سربراہ ہیں۔ اور آپ یہ بھی جانتی ہوں گی میں ان کی سگی بیٹی نہیں ہوں۔ اس وقت طے شدہ معاملے کے علاوہ کوئی بھی اونچ پنچ ہوتی ہے تو امی کے لئے نہ صرف اس وقت سب کچھ سنبھالنا مشکل ہوگا بلکہ ساری عمر انہیں لوگوں کو صفائیاں اور وضاحتیں دینی پڑیں گی۔ آج تک انہوں نے سب کچھ بہت احسن طریقے سے سنبھالا ہے۔ کبھی کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ میں اپنی چند دن پرانی خواہش کی تکمیل کے لئے ان کی عمر بھر کی ریاضت رائیگاں نہیں کر سکتی۔ آپ ہی بتائیں، کیا ایسی خود غرضی کے بعد میں کبھی خوش رہ سکتی ہوں؟ اور صرف امی ہی نہیں، اس وقت بگڑے حالات نئی اور صفی کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہونگے۔" وہ جان سے عزیز بیٹی کی ماں بن کر آئی تھیں اور اب ان کے سامنے جان سے عزیز ماں کی بیٹی تھی۔ ان کی ساری دلیلیں اور توجیہات اپنے معنی کھو چکی تھیں۔

"آپ کی گزارش سننے کے بعد اور میری کشمکش کی ہلکی سی بھنک پڑتے ہی وہ کسی کی بھی پرواہ کیے بنا مان جائیں گی۔ لیکن آنٹی اس کی قیمت بہت بھاری ہے۔ میری اور جہان کی خواہش، اور آپ کی چاہ سے کہیں زیادہ۔ میری ماں کا مقام اور انکی عزت میرے لئے کسی بھی محبت سے پہلے ہے۔"

"پنی ماں کی خوشیوں کیلئے تم دوسری ماں سے اس کی خوشیاں مانگ رہی ہو۔" تسمیہ نے اس کے مہندی سے سچے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"پلیز آنٹی! اس کا ضبط ختم ہو گیا۔ تسمیہ نے اس کے بہتے آنسو صاف کیے۔

"تمہاری امی کی بیٹی میرے بیٹے سے زیادہ لائق نکلی، قائل کر لیا مجھے۔" شبیح نے ہونٹ کاٹتے ہوئے خود کو رونے سے باز رکھا۔

"تھینک یو آنٹی۔"

"جہاں بھی رہو خوش رہو، آباد رہو۔" انہوں نے اسے گلے لگا کر دعائیں دیں۔ دونوں ہی چپکے چپکے آنسو بہا رہی تھیں۔

تسمیہ کے باہر جاتے ہی نئی جن کی طرح حاضر ہوئی۔ شبیج دروازے کی طرف پیٹھ کئے رو رہی تھی۔ نئی اس کے سامنے آئی۔

"اب کیا۔۔۔۔" شبیج اس کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ جہان کے ساتھ باہر نکلیں تو وہ بڑی بے صبری سے سارا احوال سننے کا منتظر تھا۔

"اب تو بتادیں۔" گاڑی کے پاس پہنچ کر وہ دبے دبے جوش کے ساتھ بولا۔ تسمیہ نے ایک نظر اس کے خوشی سے دکتے چہرے پر ڈالی اور پھر اطراف کی پروا کیے بغیر اس کے شانے پر سر رکھ کر رو پڑیں۔

"مجھے معاف کر دے جہان۔" میکا نیکی انداز ماں کے گرد پھیلتا اس کا بازو بے جان ان ہو کر نیچے گرا تھا۔

اگلی صبح تک اپنے تئیں اس نے خود کو پوری طرح آنے والے وقت کے لئے تیار کر لیا تھا۔ سچی سنوری دو لہن بنی وہ کچھ دیر بعد کسی کے ساتھ رخصت ہونے کو تیار تھی۔ نئی

خاموشی سے کام میں لگی تھی۔ موقع ہی ایسا تھا کہ ان دونوں کی اداسی کو سب ایک دوسرے سے جدائی کا اثر سمجھ رہے تھے۔ وہ کل جس بری طرح اس سے لپٹ کر روئی تھی اور پر جوش سی تسمیہ آنٹی جس آزر دگی سے واپس ہوئی تھیں، اس کے بعد نہی کو بھی چپ لگ گئی تھی۔ اس نے پھر شبیح سے جہان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کے حساس دل اور رجائیت پسند فطرت نے اب بھی امید نہیں چھوڑی تھی۔ وہ چپکے چپکے مسلسل کسی معجزے کے لیے دعا گو تھی۔

"یہاں آؤ، میں لگا دوں۔" اسے گجروں اور پنوں سے الجھتے دیکھ کر شبیح نے پاس بلایا۔ وہ چپ چاپ اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔

"تم نے بتایا نہیں میں کیسی لگ رہی ہوں؟" گجرے اس کے بالوں میں لگاتے ہوئے شبیح نے اسے بولنے کے لئے اکسایا۔

"دلہن لگ رہی ہو۔"

"اچھی، بری، ایویں ہی یا پھر بہت خوبصورت؟"

"خوبصورت اور حسین ترین دولہن!" لبتی کے آئی لائسنر پر پھونکیں مارتیں ماریہ باجی نے کہا۔

"اور تمہاری اداسی اس حسن کو دو آتشہ کر رہی ہے۔" لبتی نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر اضافہ کیا۔

"تم تیار ہی ہو تیں رہنا، ادھر دولہامیاں آگئے ہیں۔" چھوٹی پھوپھونے آکر کہا تو ماریہ باجی، لبتی، شارقہ اور سیماب، سب باہر بھاگیں۔

"تم کس لیے بیٹھی ہو؟ اکلوتی سالی ہو چلو۔" پھوپھونے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور باہر لے گئیں۔

کمرہ اس کے اندر کی طرح خالی ہو گیا تھا۔ وہ پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ذرا سا چلی تو چوڑیاں، زیور، کپڑے سب شور مچانے لگیں۔ وہ سہم کر ٹھہر گئی۔ پل بھر کو لگا وہ سب اس کی شکایت کر رہے ہیں۔

"جس دولہن کے دل میں ارمان اور جذبات نہ ہوں، اس کے تن پر ہمارا کیا کام؟"

اس نے مہندی سے سچی ہتھیلیوں کو دیکھا۔ مہندی والی کے لاکھ اصرار کے باوجود بھی نہی نے اسے عمران کا نام یا نام کا پہلا حرف نہیں لکھنے دیا تھا۔

"نہی! اور اس کی امیدیں۔" اس نے سوچا۔ کتنا ہی وقت گزر گیا، وہ یونہی خالی الذہنی سے ہتھیلیوں کو تکیے جا رہی تھی کہ زور سے دروازہ کھول کر نہی اندر آئی، پھر اس کے پیچھے خالہ، بڑی پھوپھو اور امی بھی۔

"کیا ہوا؟" ان تینوں کے چہرے دیکھ کر خود بخود ہی اس کے منہ سے پھسلا۔ اسے کسی انہونی کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ کسی نے کچھ نہیں کہا۔

"امی، نہی! بتائیں ناں؟" اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

"مجھے دیکھتے ہی دو لہے میاں حیران ہوئے، پھر بڑی دیر بعد اپنی ممی کی کان میں کچھ کہا اور اب ممی انہیں پرائیویسی میں بات کرنے کیلئے بغل والے فلیٹ میں لے گئی ہیں۔"

"دھیرے اور تمیز سے بولو نہی! "بیٹی کی ماں تھیں، اندر سے دھل رہی تھیں۔"

"اللہ سب خیر کرے!" پھوپھو نے فکر مند چہرے کے ساتھ دعا کی۔

"یا اللہ! بڑی زور سے اس کا سر چکرایا اور وہ وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔

"شبیج۔۔۔" امی سرعت سے اس کے پاس آئیں۔

"پھوپھو، آپ کو نزہت آنٹی بلارہی ہیں۔" تب ہی صفی دروازے میں نمودار ہوا۔ اس

کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میں بھی چلتی ہوں۔" صفورا نے نہی کو اس کے پاس آنے کا اشارہ کیا اور خود پھوپھو

اور خالہ کے ساتھ باہر نکل گئیں۔

نہی اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھ گئی۔

"انشا اللہ سب ٹھیک ہی ہوگا۔" اب تک کسی معجزے کی دعا کرنے والی وہ بھی، پل بھر میں

بدلے اس ماحول سے خوش نہیں تھی۔ اپنی ماں کا چہرہ دیکھ کر اسے سمجھ آ گیا تھا کہ شبیج

کیوں چاہتی تھی کہ سارے معاملات طے شدہ طریقے سے اور معمول کی طرح انجام

پائے۔ کتنا ہی وقت گزر گیا۔ وہ دونوں اپنی اپنی دعاؤں میں مشغول تھیں کہ روتی لائبرے

کے اندر آنے پر چونکیں۔ اس کے پیچھے خوفناک تیور لیے ماریہ باجی بھی تھیں۔

"روکیوں رہی ہو؟" ننہی نے بری طرح بلکتی لائے سے حیرانی سے پوچھا۔ ماریہ باجی نے جھٹا جھٹ تین چار جھانپڑا سے جڑ دیئے۔

"کیا کر رہی ہیں ماریہ باجی!" ننہی اسے چھوڑ کر لائے کو بچانے لگی۔

"کیسی حماقت کی ہے اس نے، پوچھو ذرا اس سے۔" وہ بڑی غضبناک ہو رہی تھیں۔

"کیا کیا تم نے؟" ننہی نے لائے کا چہرہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں بتاتی ہوں۔ اس نے عمران کو شبیخ کی نہیں تمہاری تصویر بھیجی تھی۔" ماریہ باجی نے بم پھوڑا۔

"وہ یہاں تم سے شادی کا ارمان لیے آیا ہے۔ اس کے نزدیک شبیخ نہیں تم اس کی دلہن ہو۔" وہ غصے میں کہہ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

ننہی کا دل اور ذہن دونوں ہی بلیٹ ٹرین کی رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ بڑی تیزی سے اس نے ٹکڑے یہاں وہاں کر کے دوبارہ جوڑ کر تصویر مکمل کی۔ اس نے اپنی بھنگڑا ڈالنے اور لائے کو جھپی دینے کی خواہش کو بڑی مشکل سے قابو کیا اور اٹھ کر الماری تک آئی۔

دراز کھول کر جہان کا دیا کارڈ نکالا۔ اس کے نمبر پر اپنے فون سے پیغام بھیجا۔ کارڈ واپس
دراز میں رکھا اور الماری بند کر کے پلٹی۔

”آئیں ماریہ باجی، باہر کی خبر لیتے ہیں۔“

ایک گوشے میں بیٹھ کر روتی لائبرے اور فرش پر ہراساں بیٹھی شبیح کوئی وہیں چھوڑ کر وہ
دونوں باہر نکلیں۔

بغل والے فلیٹ میں اپنی تمام تر کشادہ ذہنی، اعلیٰ تعلیم اور سلجھے مزاج کے باوجود بھی
نزہت آنٹی کو لڑکی والوں پر شدید غصہ آرہا تھا۔ انہیں سارا قصور انہیں کا لگ رہا تھا۔ کیسے
وہ لوگ ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت کر سکتے ہیں؟ ایسی فاش غلطی اور اس پہ بے خبری بھی!
تبھی ان کے شوہر صاحب نے یاد دلایا کہ غیر ذمہ داری اور غلطی کی شروعات خود انہوں
نے کی تھی۔ عمران کا نمبر دے کر تصویر بھیجنے کی ہدایت دینے کی جگہ انہیں خود تصویر لے
کر بیٹے کو روانہ کرنا چاہیے تھا۔ پھر عمران کی ہاں کے بعد انہوں نے ایک بار بھی توثیق کی
ضرورت نہیں سمجھیں۔ عمران اپنی بات پر قائم تھا کہ جس لڑکی کی تصویر دیکھ کر اس نے

شادی کیلئے ہاں کی تھی، شادی وہ اسی سے کرے گا۔ شوہر اور بیٹے سے طویل بحث و مباحثہ کے بعد انہیں عمران کا مطالبہ جائز لگ رہا تھا۔

ادھر سب لائبریری پر بھڑاس نکالنے کے بعد اس عجیب و غریب صورت حال کے انجام اور نزہت کے رد عمل پر قیاس آرائیوں میں لگے تھے۔ بیٹے کی مانگ کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بعد، نزہت کے لیے بڑا مشکل تھا کہ ایک ماں سے یہ کہیں کہ 'ہم جسے بیاہنے آئے تھے اسے رہنے دیں اور اپنی چھوٹی بیٹی ہمیں دے دیں۔'

بڑے حوصلے اور سلیقے سے انہوں نے سب کے درمیان یہ بات کہیں تو کچھ نے سکون کا سانس لیا، کچھ کو شبیخ یاد آئی، اور کچھ کو یہ سراسر غلط لگا۔ تبھی سب کو چیرتی اور ان سب کی نگاہوں کی پروا نہ کرتی نہی 'صفورہ کے پاس آئی۔

"آپ میرے ساتھ آئیں۔" وہ صفورا کا ہاتھ پکڑ کر انہیں سب کے درمیان سے نکال کر باورچی خانے میں لے آئی۔ جہاں کوئی نہیں تھا۔

"تسمیہ آنٹی آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" اس نے فون صفورا کے کان سے لگایا۔

بدلتے تاثرات کے ساتھ دوسری طرف سے تسمیہ کی باتیں سننے کے بعد انہوں نے فون بند کر کے نہی کو واپس کیا۔

”کیا یہ سچ ہے؟“

”ہاں، اتنی ہی بے وقوف ہے آپ کی بیٹی۔“

”نزہت نے ابھی عمران سے نکاح کے لیے تمہارا نام لیا ہے۔ اب تم شہباز کی خاطر کوئی بے وقوفی کئے بنا ایمانداری سے جواب دو۔“

”میرا شادی کا موڈ ہے نہ تیاری۔ لیکن اگر آپ تسمیہ آنٹی کا پروپوزل مان لیں تو شاید میرا بھی موڈ بن جائے۔ قسمت میں یہ سب شاید اسی طرح ہونا لکھا تھا امی۔“

”میری ماں بننے کی کوشش مت کرو۔“ وہ اسے گھورتی ہوئیں باورچی خانے سے باہر نکلیں۔

تسمیہ کے اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ آنے سے قبل، صفورا نے دادی اور نانانانی کے ساتھ بمع ان کی اولادوں کے میٹنگ کی اور اس میٹنگ کے اختتام پر دونوں بیٹیوں کے نکاح اور رخصتی کا فیصلہ ہو گیا تھا۔

نئی اندر آئی تو وہ فرش پر ویسے ہی بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس نے متوحش نظروں سے نئی کو دیکھا، جس کے پیچھے صفورا کے ساتھ ساتھ خالہ چاچی اور ماریہ باجی بھی تھیں۔

"نہی، تم بھی بیٹھو اس کی بازوؤں میں۔" خالہ نے اسے فرش سے اٹھاتے ہوئے نئی کو ہدایت دی۔

ابھا بھی، کوئی سرخ دوپٹہ ہی اس کے سر پر ڈال دیں۔ "چاچی نے اسے پکڑ کر شہیج کے بغل میں بیٹھا کر، سر پر اس کا دوپٹہ جماتے ہوئے کہا۔

"اور کوئی کلر نہیں ملا تھا تمہیں؟" اس کے ہلکے آسمانی رنگ کے جوڑے کو دیکھ کر ماریہ باجی کو غصہ آ رہا تھا۔

"قسم سے اگر معلوم ہوتا نا کہ میرا نمبر بھی لگ جائے گا تو۔۔۔"

"بس! اب منہ بند کر کے خاموش بیٹھو ذرا۔" چاچی نے اسے ڈانٹا۔ لب وا کیے بیٹھی شبیچ

کو وہ بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھیں۔ کونے میں آنسو بہاتی لائے بھی اس نئی

صورتحال کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ تبھی صفی اور تایا، مولوی صاحب اور ایک

اجنبی شخص کے ساتھ اندر آئے۔ اور جب مولوی صاحب نے جہان مرزا ولد فرحان مرزا

کہا تو اندر مچا تلاطم پر سکون لہروں میں ڈھل گیا۔ زندگی کی نوید سناتا یہ معجزہ اسے گونگا ہی

کر گیا۔ نہی کے دو ہلکے اشاروں پر بھی جب وہ چپ رہی تو صفورا نے آگے بڑھ کر اس کے

سر پر ہاتھ رکھا۔

"بولو بیٹا شبیچ۔"

مولوی صاحب نے ایک بار پھر دہرایا۔ اس بار شبیچ نے پورے دل و جان سے کہا۔

"جی، قبول ہے۔"

ایجاب و قبول کے بعد ان سب کے باہر جاتے ہی نہی نے اسے گلے لگایا۔

"مبارک ہو۔" شبیج روپڑی۔

"رخصتی میں وقت ہے ابھی۔" ننھی نے اس سے خود سے الگ کیا۔ اسکا رونا بند نہیں ہوا تھا۔

"میرا بھی نکاح ہوا ہے۔ جھوٹے منہ ہی سہی، مبارکباد تو دے دو۔"

"اللہ باجی، اسے چپ کرائیں۔" خالہ نے امی کو مبارکباد دینے کے بعد کہا۔

ان سب کے کمرے سے نکلتے ہی شبیج صفورا سے لپٹ گئی۔

"بیٹا، تم تینوں کی خوشیوں سے بڑھ کر میرے لئے کچھ اہم نہیں ہے۔" صفورا نے اس کے

سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اتنے بڑے فیصلے اپنی خوشی اور خواہش کو نظر انداز کر کے

نہیں کرنے چاہیے۔ تم نے شروعات ہی غلط کی اور پھر وقت رہتے اسے صحیح کرنے کی

کوشش بھی نہیں کی۔"

"امی اسے بڑا فلمی ہیرو بننے کا شوق چڑا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ انجام ایسا فلمی ہوا ہے

ورنہ۔۔۔" اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔ صفورا نے اسے خود سے الگ کیا۔

"بہت ساری باتیں ہیں لیکن ابھی وقت نہیں ہے۔"

اسی وقت تسمیہ ارش کے ساتھ اندر آئیں۔

"ہمیں بھی ہماری بہو سے ملنے دیں۔" صفورا سے ملنے اور مبارکباد دینے کے بعد وہ شبیج

کے پاس آئیں۔

"ماشاء اللہ! انہوں نے باقاعدہ اس کی بلائیں لیں۔

"ایسی افراتفری میں گھر سے نکلیں کہ کچھ یاد ہی نہیں رہا۔" انہوں نے اپنے گلے سے

چین نکال کر اسے پہنائی۔ "فی الحال اسی سے کام چلا لیتے ہیں۔"

"ویسے آئی۔۔۔۔۔" ننہی نے منہ کھولا ہی تھا کہ اس کا ارادہ بھانپ کر شبیج نے اس کا

ہاتھ پکڑ کر اشارے سے منع کیا۔

"تمہارا تو جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے۔" تسمیہ نے اسے بھی گلے لگایا۔

"میرا نمبر آئے گا؟" ارش نے کھنکار کر سب کو متوجہ کیا۔

"ہاں، ہاں آؤناں!" تسمیہ نے اسے جگہ دی۔

"واؤ! آپ واقعی پریٹی ہیں۔ اچھا۔۔۔۔۔ تو یہ تل ہے جسے بھائی زوم کر کے دیکھتے تھے!"
اس کی بات پر شبیع بری طرح جھینپ گئی۔ باقی سب کے قہقہے باہر تک پہنچنے لگے۔

"بھائی نے کب سے آپ سے ملنے کی رٹ لگا رکھی ہے اور جب ممانے کہا کہ وہ آپ سے
گھر جانے کے بعد ہی مل سکتے ہیں، تب سے وہ گھر جانے کی ضد کر رہے ہیں۔"

"ہاں صفورہ، اب جلد ہی رخصتی بھی کر دیں۔"

"پہلے آپ لوگ کھانا تو کھالیں۔"

کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد سب باہر گیس تو اتنی دیر سے تماش بین بنی، سب کچھ
دیکھتی اور سنتی، لائبہ اٹھ کر نہی کے پاس آئی۔

"باجی، آپ کو انڈیا کے باہر جانا تھا اور آپ اتنی کیوٹ ہیں، شبیع باجی سے بہت زیادہ
پیاری! میں نے عمران بھائی کی فوٹو دیکھی تھی۔ ان جیسے ہینڈ سم ہیرو کے ساتھ آپ ہی
سوٹ کرتیں، شبیع باجی نہیں۔۔۔۔۔ اس لئے۔۔۔۔۔" اسے رونا آ گیا۔ اس خیر خواہی کی
خواہش پر سب نے اس کا حال ہی وہ کیا تھا۔ "مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ میری وجہ سے

آپ کی شادی آخر کو عمران بھائی سے ہو ہی گی۔ لیکن آپ بھی سب کی طرح مجھ سے ناراض تو نہیں ہے ناں؟" اس نے سوں سوں کے درمیان پوچھا۔

"میں ذرا بھی ناراض نہیں ہوں۔" نہی نے اس کے آنسو صاف کیے۔ "تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے تم نے کہ کیا کایا پلٹ کی ہے۔" نہی نے شانوں سے تھام کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔ "ذرا پہلے مجھے بتا دیتی، میں چپکے چپکے کچھ تیاری ہی کر لیتی۔" نہی نے شبیچ کو آنکھ ماری۔

"اب جاؤ۔ اچھی طرح منہ دھو کر پھر سے تیاری کرو اور اپنا یہ کارنامہ انجوائے کرو۔" اس کی پیٹھ تھپتھپا کر نہی نے اسے باہر بھیجا۔

"اب تم کیا سوچ رہی ہوں؟" اس نے شبیچ کو دیکھا۔ "زیادہ مت سوچو، میرا شکریہ کیسے ادا کرنا ہے، میں تمہیں اور جہان کو جانے سے پہلے اچھی طرح سمجھا دوں گی۔"

"میں سوچ رہی ہوں اگر لائے جہان کی فوٹو دیکھ لیتی تو۔۔۔؟"

"ہا ہا ہا ہا۔۔۔۔۔" اس کی بات سمجھتے ہی نہی بستر پر گر کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

کچھ دیر بعد ہی سچی سنوری، عروسی لباس میں ملبوس دلہن، جینز اور ٹی شرٹ پہنے دو لہے کے ساتھ رخصت ہوئی اور شیر وانی پہنے باقاعدہ دولہا بنے عمران کے ساتھ شادی میں شریک مہمانوں سے حلیے والی نہی۔

وہ جہان سے پہلے ہی دوڑتی ہوئی دیوار کے پاس پہنچ گئی تھی۔ جہاں گاڑی اور بیگ کی تصویر کچھ ہلکی مگر موجود تھی۔

"اگر کچھ دن بعد آتے تو شاید نہ ملتیں۔" اس نے پلٹ کر جہان سے کہا۔

"اس بار پیٹ سے اپنے نام لکھتے ہیں۔"

"تم ساتھ میں پیٹ لائے ہو؟" اس نے حیرت سے جہان کے خالی ہاتھوں کو دیکھا۔

"لے آتے ہیں۔"

"ضرورت کیا ہے نام لکھنے کی؟ خواہ مخواہ ہی۔"

"ہم چیک کرنے کے بہانے آتے رہے گے۔"

"یہاں آنے کے لئے بہانے کیوں؟ ہم جب چاہے تب آسکتے ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ یہ بھی ہے۔"

"بس ان سردیوں کے موسم میں نہیں آنا۔" اس نے تخی بستہ جھونکوں سے بچنے کیلئے ہاتھ باندھ کر خود کو سمیٹا۔

"سردیوں سے بچنا تو بڑا آسان ہے۔" جہان نے اپنی جیکٹ کے دونوں سرے پکڑ کر اس کے دائیں بائیں رکھ کر اسے اندر سمیٹا۔ سرد ہواؤں نے اس کے کان ناک سب سرخ کر دیے تھے۔

"دوساڑ بڑا جیکٹ لینا پڑے گا۔" جیکٹ اسے پوری طرح چھپا نہیں پایا تھا۔

"کوئی نہیں۔ ممبئی میں صرف سردیوں کا موسم آتا ہے۔ سردیاں نہیں آتیں۔" جیکٹ کے نیچے سے اسکی پشت پر اپنی بازو پھیلاتے ہوئے سمجھدار بیوی نے شوہر کو فضول خرچی سے باز رکھنا چاہا۔

"اور یہاں میرے لئے ٹھنڈ سے بچنے کے لئے بس اتنا کافی ہے۔" اس نے تھوڑی اس کے سینے پر رکھ کر چہرہ اوپر کر کے مسکرا کر اسے دیکھا۔ جہان نے جھک کر اسکی ناک کے تل کو لبوں سے چھوا۔

"تمہیں پتہ ہے، کتنے رنگوں میں یہ میری راتوں کا چاند بنا تھا؟"

ہاں، اور گھر میں سب جانتے ہیں کہ اسے زوم کر کے گھورا "جہان کا مقہ بڑا بے ساختہ تھا۔" جاتا تھا۔

سارا گھر نہیں، ارش ہی گھر کی زیر وزیروسیون ہے۔ بس زیر وزیروسیون کی طرح راز، "ہضم نہیں ہوتے اس سے۔"

"ہمم۔۔۔۔۔ اب چلیں۔ ہمیں نکلیں بہت وقت ہو گیا ہے۔" وہ سب کو فارم ہاؤس پر چھوڑ کر لانگ ڈرائیو کے لیے نکلے تھے۔ شبیچ نے جہان سے دور ہونا چاہا لیکن جہان نے ہونے نہیں دیا۔

"بہت دن سے ایک بات کہنا چاہ رہا ہوں۔"

"تو اب تک کہا کیوں نہیں؟"

"ہم یہاں ہیں تو تمہیں نہیں لگتا کہ ان سے مل لینا چاہیے؟"

"میں اب تک خود کو تیار نہیں کر پائی ہوں۔ جس دن بھی ان سے ملنا ہوگا، سب سے پہلے"
"تمہیں ہی بتاؤں گی۔"

"اوکے۔"

"اب چلیں؟ میری گردن اکڑ گئی ہے۔" وہ جب سے مسلسل سراو پر کیے اسے دیکھ رہی
تھی۔

وہ ابھی گاڑی کے قریب پہنچے ہی تھے کہ شبیح نے منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخ دہائی۔

www.novelsclubb.com "اب کیا رہ گیا؟"

"فون۔۔۔ میں نے بیچ پر پتھر کے پاس رکھا تھا۔" وہ ساحل کے بعد اس عمارت میں
آئے تھے۔ وہ واپس جانے کے لئے مڑی۔

www.novelsclubb.com وہ ایک دن از آسیہ رئیس حنان

"ہماری کہانی کا مین کردار تمہاری یہ عادت ہی ہے۔" جہان نے آگے بڑھ اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر دوڑ لگائی۔

"اور اب ساری عمر مجھے تمہاری اس عادت کو بنا شکایت کیے بھگتنا ہوگا۔" اس نے مصنوعی مسکینیت طاری کرتے ہوئے کہا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

آسیہ رئیس خان

www.novelsclubb.com



www.novelsclubb.com